دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

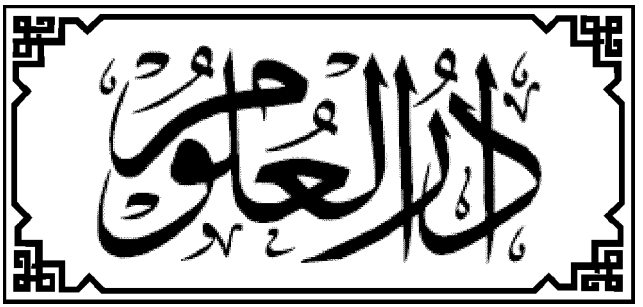

جلد: ۹۵	رمضان، شوال ۱۴۳۲ھ مطابق اگست، ستمبر ۲۰۱۱ء	شمارہ: ۸-۹

نگراں	مدیر
مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ-/۱۵ روپے، سالانہ-/۱۵۰ روپے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ-/۱۱۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ-/۵۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم-/۵۰۰ روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	نبیِ رحمت ﷺ اور کسبِ معاش	مولانا توحید عالم بجنوری	۹
۳	نظمِ قرآنی (اسرار ورموز، معانی وحکمتیں)	مولانا محمد عارف جمیل مبارکپوری	۱۷
۴	جمعہ-فضائل، مسائل اور احکام	مولانا نجیب قاسمی، ریاض	۲۵
۵	حرمت تصویر کی نوعیت	مولانا محمد شعیب اللہ خاں	۳۵
۶	احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	۴۹
۷	کاتبینِ پیغمبرِ اعظم ﷺ ایک تعارف	مولانا اشتیاق احمد	۵۷
۸	فقید المثال امام اعظم ابوحنیفہؒ سیمینار	مولانا محمد کلیم اللہ	۷۰
۹	رواجِ بے حجابی خوشنما کانٹوں کی مالا ہے	مولوی محمد نایاب حسن	۷۵
۱۰	تحفظ ختم نبوت کی خاطر قربانیاں	مولانا حذیفہ وستانوی	۸۲
۱۱	حضرت مولانا قاری شریف احمد نور اللہ مرقدہٗ	حافظ تنویر احمد شریفی	۹۲
۱۲	فضلائے کرام کی خدمت میں چند گزارشات	احمد معاویہ اشرفی	۱۰۸
۱۳	ایک دردمند کا مکتوب بنام مدیر	ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی	۱۱۱

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

اسلام ایک جامع اور مکمل شریعت ہے، جس کے اندر مختلف نوع کی عبادتیں ہیں، جن میں سے بعض کا تعلق قول سے ہے؛ جیسے: ذکر، دُعا، دعوت الی الخیر، وعظ وتذکیر اور تعلیم وتعلّم وغیرہ اور بعض عبادتیں ایسی ہیں جن کا تعلق فعل سے ہے، خواہ وہ بدنی ہوں، جیسے: نماز یا مالی ہوں، جیسے: زکوٰۃ و صدقات یا بدنی ومالی دونوں ہوں، جیسے: حج اور جہاد فی سبیل اللہ اور بعض عبادتیں وہ ہیں جو نہ قولی ہیں اور نہ فعلی؛ بلکہ ان میں صرف رکنا پایا جاتا ہے، جیسے: روزہ (اکثر علماء نے روزہ کو عبادتِ بدنی میں شمار کیا ہے۔ اور یہی اقرب الی الصواب ہے؛ کیونکہ کسی چیز سے رُکنا بھی تو ایک فعل اور عمل ہی ہے۔

روزہ کی حقیقت

عبادت کی نیت سے صبحِ صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رُکے رہنے کا نام روزہ ہے، یہ عبادت اسلام سے پہلے دیگر مذاہب میں بھی کیفیت وکمیت کے فرق کے ساتھ مشروع تھی، جیسا کہ قرآن خود شہادت دے رہا ہے:

يَا أَيُّهَا الذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ.

(اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے؛ تاکہ تم پرہیزگار ہوجاؤ)

لیکن جس طرح اسلام نے نماز، زکوٰۃ میں جامعیت ومرکزیت پیدا کرکے، انھیں دیگر ادیان و مذاہب کی نماز وزکوٰۃ سے ممتاز بنادیا۔ اسی طرح سے روزہ کو بھی دیگر مذاہب کے روزوں کے مقابلہ میں اختصاص وامتیاز عطا کیا گیا؛ چنانچہ اسی غرض سے صومِ مفروض کو ایک مہینہ کے لیے خاص

کیا گیا اور پھر اس کے لیے وہ مہینہ منتخب کیا گیا، جس میں اللہ کی جانب سے مسلمانوں کو دستور ہدایت یعنی قرآن مرحمت فرمایا گیا ارشاد خداوندی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ (البقرہ)

(رمضان وہ مہینہ ہے جس میں نازل کیا گیا قرآن جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کی واضح دلیل اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے؛ لہٰذا جو شخص اس مہینہ کو پائے تو اُس کے روزے ضرور رکھے)۔

روزہ کی مصلحتیں

(۱) ہمیں اس بات پر یقین کامل ہے کہ روزہ کی فرضیت میں بہت سی حکمتیں و مصلحتیں پوشیدہ ہیں، اگرچہ ہمارا نارسا ذہن ان تمام اسرار و حکم اور مصالح تک نہ پہنچ سکے؛ البتہ بعض حکمتیں جو سمجھ میں آرہی ہیں انھیں یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں سب سے پہلے خود اپنے وجود پر...غور کرنا چاہیے کہ انسان کی اصل حقیقت کیا ہے؟ کیا انسان گوشت و پوست اور ہڈی چمڑے کے اس ظاہری مجموعہ کا نام ہے؟ یا اس کی حقیقت اس ظاہری ڈھانچہ کے علاوہ کچھ اور ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف اس ظاہری ڈھانچہ کو انسان کبھی نہیں کہا جاسکتا؛ کیونکہ اس صورت میں انسان سے زیادہ حقیر اور کم درجہ کی کوئی اور مخلوق نہ ہوگی؛ حالانکہ انسان اشرف مخلوقات اور خلاصۂ کائنات ہے؛ اس لیے لازمی طور پر یہ ماننا ہوگا کہ انسان اس ظاہری شکل وصورت کا نام ہرگز نہیں ہے؛ بلکہ یہ کسی اور ہی چیز کا نام ہے، جس کی بنا پر وہ تمام مخلوقات میں ایک امتیازی مقام رکھتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسی چیز ہے، جس کے ذریعہ انسانیت کا وجود متحقق ہوتا ہے تو نفسِ انسانی میں غور وفکر کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ درحقیقت انسان ایک جوہر روحانی کا نام ہے، جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے غور وفکر کی استعداد وصلاحیت پیدا کررکھی ہے جس کے ذریعہ وہ نہ صرف سمجھتا بوجھتا ہے؛ بلکہ پوری کائنات پر حکومت کرتا ہے اور اسی امتیازی وصف کی بناء پر مسجودِ ملائکہ بنایا گیا؛ چنانچہ قرآن حکیم اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلملائكةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بشرًا مِنْ طِیْنٍ فَإِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ

رُوْحِیْ فَقَعُوا لَهٗ سَاجِدِین. (سورۂ ص)

(جب کہا تمہارے رب نے فرشتوں سے میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا۔ پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں اپنی رُوح سے تو تم جھک پڑو سجدہ میں۔)

چونکہ خواہشاتِ نفسانیہ کو دبانے سے قوتِ روحانیہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے روزہ میں خواہشِ بطن وفرج کی شکست وریخت ہوتی ہے؛ اس لیے لازمی طور پر روحانیت کو قوت وطاقت ملے گی اور اسی جوہرِ روحانی سے آدمی انسان کہلاتا ہے تو گویا روزہ کے ذریعہ انسانیت کی تشکیل و تکمیل ہوتی ہے۔

(۲) روزہ سے جہاں روح کو طاقت ملتی ہے، وہیں اس سے بدن کی بھی اصلاح ہوتی ہے؛ اس لیے کہ اکثر امراض معدہ کی خرابی کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں (چنانچہ کہا جاتا ہے "المعدة ام الأمراضِ" معدہ بیماریوں کی جڑ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ "ما مَلَاءَ ابنُ آدمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهٖ" انسان کے لیے سب سے خراب بات اپنے شکم کو پر کرنا ہے؛ لہٰذا جب پیٹ کا بھرنا۔ امراض اور بیماریوں کا پیش خیمہ ہے، تو اس کا علاج یہ ہے کہ پیٹ کو خالی رکھا جائے اور روزہ کے اندر یہی بات ہے کہ پیٹ کو خالی رکھا جاتا ہے۔ جس سے بدن کی اصلاح ہوجاتی ہے اور آدمی بہت سے امراض سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

(۳) روزہ کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے آدمی کے اندر صبر واستقامت کی قوت پیدا ہوتی ہے (جو انسان کے لیے بڑی خوبی کی چیز ہے) روزہ دار کے سامنے عمدہ اور مرغوب غذائیں ٹھنڈا اور شیریں پانی رکھا رہتا ہے؛ مگر ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا؛ حالانکہ بظاہر اس کو ان چیزوں کے استعمال کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے؛ لیکن اس کا ضمیر اس کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنے روزہ کو برباد کرکے خدا کے غضب کا مستحق بنے، ایک مہینہ کی یہ مشق وتمرین لامحالہ انسان کے اندر استقلال واستقامت کی طاقت پیدا کرے گی؛ چنانچہ ماہرین نفسیات نے اپنے علم وتجربہ کی بنیاد پر یہ بات کہی ہے کہ روزہ سے زیادہ ارادوں میں پختگی اور عزائم میں پائیداری پیدا کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے؛ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے بطور خاص جوانوں کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرَجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ. (بخاری شریف)

(اے جوانوں! تم میں سے جس کے اندر استطاعت ہو وہ ضرور نکاح کرے؛ اس لیے کہ نکاح نگاہوں کو پست رکھنے والا اور فرج کی حفاظت کرنے والا ہے اور جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ اپنے اوپر روزہ کو لازم کرلے؛ اس لیے کہ روزہ اس کے لیے بندش کا کام دے گا)۔

ایک موقع پر اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا:

لِكُلّ شيءٍ زكوٰةٌ وَزكوٰةُ الجَسَدِ الصومُ، والصومُ نِصفُ الصَبرِ.

(ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے اور روزہ نصف صبر ہے)

اس حدیث پاک میں روزہ کو نصف صبر اس لیے فرمایا گیا ہے کہ انسان کے اندر تین قوتیں ہیں ایک قوت شہوانی، دوسری قوت غضبی اور تیسری قوت روحانی اور روزہ سے انسان قوت شہوانی پر غالب آجاتا ہے تو گویا اُسے نصف صبر حاصل ہوگیا۔

(۴) اسلام صرف نام ونمود کا مذہب نہیں ہے؛ بلکہ یہ دینِ جہاد ہے۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اور جہاد کے لیے صبر واستقامت ایک لازمی چیز ہے؛ لہٰذا جو شخص اپنی ذات کے مقابلہ میں جہاد نہیں کرسکتا، وہ اپنے دشمن سے کیا مقابلہ کرے گا؟ اور جس کا اپنے نفس پر قابو نہیں چلتا وہ اپنے دشمن کو کیونکر زیر کرے گا۔ اور جسے ایک دن کی بھوک و پیاس پر صبر نہیں ہوتا وہ گھر بار چھوڑنے پر کیسے صبر کرے گا؛ اس لیے سال میں ایک ماہ کے روزے کا حکم دے کر صبر واستقامت کی تمرین کرائی جاتی ہے؛ تاکہ آدمی جہاد کے لیے تیار ہوجائے۔

(۵) روزہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر ومنزلت کا عرفان پیدا ہوتا ہے کیونکہ "تُعْرَفُ الاشياءُ بِاَضْدَادِهَا" جب تک آدمی کو بھوک و پیاس کی شدّت کا احساس نہ ہو، اُسے کھانے پینے کی سچی قدر کیا ہوگی اور جب ان نعمتوں کی قدر ومنزلت کی معرفت حاصل ہوگی تو اس کا زیادہ سے زیادہ حق ادا کرنے کی کوشش کرے گا تو اس طرح روزہ اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی عبادت پر آمادہ کرنے میں ایک قوی اثر رکھتا ہے؛ اسی لیے ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ نے فقر کو غنا پر ترجیح دی؛ چنانچہ ارشاد ہے:

عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي لِيَجْعَلَ لِيْ بَطْحَاءَ مكةَ ذَهَبًا قُلْتُ لَا يَارَبِّ وَلٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَاَجُوعُ يومًا فَإِذَا جِعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وذكرتُ وإِذَا شَبِعْتُ شَكَرْتُكَ وَحَمِدْتُكَ. (ترمذی)

(مجھ پر میرے رب نے یہ بات پیش کی کہ میرے لیے بطحاء مکہ سونا بنادیا جائے تو میں نے

عرض کیا اے میرے رب مجھے اس کی ضرورت نہیں؛ میں تو ایک دن آسودہ شکم رہوں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ جس دن بھوکا رہوں گا آپ سے تضرع کروں گا اور آپ کو یاد رکھوں گا۔ اور جس دن آسودہ رہوں گا آپ کا شکر اور حمد کروں گا۔)

(۶) پھر روزہ کی وجہ سے جب آدمی بھوک و پیاس کی شدت کو محسوس کرتا ہے تو اس کے اندر غربا، ومساکین کی تکلیف کا احساس بیدار ہو جاتا ہے؛ کیونکہ ناز ونعمت میں پلا ہوا جس نے بھوک و پیاس کی تکلیف کبھی برداشت نہ کی ہو۔ اُسے بھوکوں، پیاسوں کی حالت زار اور اذیت کا کیا علم ہوگا؛ لیکن روزہ کی وجہ سے جب اُسے بھوک کی اذیت کا ذاتی تجربہ ہوتا ہے تو پھر اس کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوگا، کہ غریبوں اور ناداروں کی امداد واعانت کرکے انھیں اس تکلیف واذیت سے بچائے؛ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے متعلق ارباب سیر لکھتے ہیں کہ حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں جب اموالِ فئی کی وجہ سے آپ کی تنگدستی دور ہوگئی تھی، اس زمانہ میں آپ نے روزوں کی تعداد میں زیادتی فرمادی تھی۔ اور جب آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ ”روزہ اس لیے رکھتا ہوں؛ تاکہ غریبوں کو بھول نہ جاؤں“۔

(۷) اور ان سب مصالح کے علاوہ سب سے اہم بات جو روزہ سے حاصل ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردینا ہے اور یہ تسلیم اور خودسپردگی ہر عبادت کا حاصل اور خلاصہ ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْر. (البقرہ)

(ہم نے سنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے رب اور تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن.

(یقیناً میری نماز اور میری دیگر عبادتیں اور میری حیات اور موت سب اللہ ہی کے لیے ہے)

اور یہ تسلیم ورضا روزہ کے ذریعہ یوں حاصل ہوتی ہے کہ روزہ دار کے سامنے اس کی مرغوبات موجود ہیں، جن کے استعمال پر وہ قدرت بھی رکھتا ہے اور ان کے استعمال کی اُسے شدید خواہش بھی ہوتی ہے؛ لیکن وہ محض اللہ کی رضا کے لیے انھیں ہاتھ نہیں لگاتا اور ان کے استعمال سے رُکا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کو بطور خاص اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدمَ لَهٗ إلَّا الصِّيَامُ فَاِنَّهٗ لِيْ وَأنَا اَجْزِي بِهٖ يَدَعُ طَعَامَهٗ مِنْ أجَلِيْ

وَيَدَعُ شَرَابَهُ مِنْ أَجْلِي وَيَدَعُ لَذَّتَهُ مِنْ اَجْلِیْ وَيَدَعُ زَوْجَتَهُ مِنْ اَجْلِیْ. (ابن خزیمہ)

(انسان کا ہر عمل اس کے لیے ہے؛ البتہ روزہ یہ خاص میرے لیے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا وہ میرے لیے اپنا کھانا چھوڑ دیتا ہے میرے لیے اپنا پینا چھوڑ دیتا ہے، میرے لیے اپنی لذّت چھوڑ دیتا ہے اور میرے لیے اپنی بیوی کو چھوڑ دیتا ہے۔)

روزہ کی مشروعیت سے مقصود انسان کو تنگی اور دشواری میں مبتلا کرنا نہیں ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ روزہ کی فرضیت کے بعد اس حکمت کو بیان کرتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرہ)

(اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا ہے تم پر دشواری)۔

بلکہ روزہ سے مقصود روحانیت کو قوی کرنا ارادہ میں استحکام پیدا کرنا اور صبر و رضا کا خوگر بنانا جسم کو امراض سے بچانا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی انسان کے دل میں قدر و منزلت پیدا کرنا ہے۔

روزہ اور ہمارا طرزِ عمل

رمضان المبارک کا روزہ جن مقاصد حسنہ کی تحصیل کے لیے فرض کیا گیا تھا، ہمارے سلف صالحین نے روزہ کے آداب و واجبات کی رعایت کرکے ان مقاصد کو پورے طور پر حاصل کیا۔ وہ حضرات دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات بھر ذکر و فکر اور نماز و تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور رمضان المبارک کے ایک ایک لمحہ کو اللہ کی عبادت میں گذارتے تھے، وہ اپنی زبانوں کو بیہودہ گوئی سے بند رکھتے تھے اور کانوں کو لغو اور فحش باتوں کے سننے سے محفوظ رکھتے تھے، ان کی آنکھیں حرام چیزوں کی طرف قطعاً نہیں اٹھتی تھیں۔ اس طرح اُن کے تمام اعضاء روزہ سے رہتے تھے؛ لیکن آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اس مبارک مہینہ کو بھی دیگر مہینوں کی طرح ضائع کردیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اس لیے فرض کیا تھا کہ اس کے ذریعہ روح و قلب کو فائدہ پہنچے؛ مگر ہم نے روزہ کو پیٹ اور معدہ کو پُر کرنے کا مہینہ بنالیا۔ اللہ نے اُسے حلم و صبر کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تھا؛ مگر ہم نے اُسے غیض و غضب اور غم و غصّہ کا مہینہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے سکینت و وقار کا مہینہ بنایا تھا؛ مگر ہم نے اُسے گالی گلوج اور لڑائی جھگڑے کا مہینہ بنالیا، اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اس لیے فرض کیا تھا کہ ہماری عادتوں میں تبدیلی آئے؛ مگر ہم نے سوائے کھانوں کے اوقات میں تبدیلی پیدا کرنے کے کچھ نہیں کیا۔

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

نبیِ رحمت ﷺ اور کسبِ معاش

از: مولانا توحید عالم بجنوری
مدرس عربی دارالعلوم دیوبند

یاایُّھا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ(الآیۃ) اس خدائی حکم اور قانونِ الٰہی پر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اپنے زمانے اور عہد کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے عمل کیا بالخصوص نبی آخرالزماں، رحمت عالم، ہادیٔ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی مذکورہ قرآنی دستور کو عملی جامہ پہنایا، آقائے دو جہاں کبھی دایہ حلیمہ کے بچوں کے ساتھ بکریاں چراتے ہیں، تو کبھی خواجہ ابوطالب کے ساتھ بغرض تجارت شام کا سفر کرنے پر بضد ہوتے ہیں، محبوب رب العالمین اگر خدیجۃ الکبریٰ کا مال، مضاربت کے طور پر لے کر شام کا سفر فرماتے ہیں، تو اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے بدلے جنگل میں چراتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں؛ کیوں کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہوتا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلی الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے اور حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''معارف القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ: کسبِ معاش کے ذرائع میں تجارت اور محنت سب سے افضل اور اطیب ذریعۂ معاش ہے؛ لہٰذا رسولِ خدا ﷺ نے تجارت اور سوداگری فرمائی ہے۔

شغل تجارت

(۱) حضرت عبداللہ بن ابی الحمساءؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعثت سے قبل ایک مرتبہ محمد بن عبداللہ ﷺ سے ایک معاملہ کیا، میرے ذمہ کچھ دینار باقی تھا، میں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ میں ابھی لے کر آتا ہوں، اتفاق سے گھر جا کر وعدہ بھول گیا، تین دن کے بعد یاد آیا کہ آپ ﷺ سے وعدہ کر کے آیا تھا، یاد آتے ہی فوراً وعدہ گاہ پہنچا تو آپ ﷺ کو اسی مقام پر منتظر پایا۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ: تم نے مجھ کو زحمت دی، میں تین روز سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

(۲) آپ ﷺ نے بعثت سے قبل عبداللہ بن سائبؓ کے ساتھ بھی تجارت میں شرکت فرمائی تھی، وہ آپ ﷺ سے کہتے ہیں کنتَ شریکی فنعم الشریكُ لا تداری ولا تماری (آپ ﷺ تو میرے شریک تجارت تھے اور کیا ہی اچھے شریک تھے، نہ کسی بات کو ٹالتے تھے اور نہ کسی بات میں جھگڑتے تھے)۔

(۳) آپ ﷺ نے قیس بن سائبؓ کے ساتھ بھی تجارت میں شرکت فرمائی تھی، وہ فرماتے ہیں کان خیرَ شریكٍ لا یماری ولا یشاری (آپ بہترین شریک تھے، نہ جھگڑتے تھے، نہ کسی قسم کا منا قشہ کرتے تھے)۔

(۴) حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کے مال میں بطور مضاربت ملکِ شام جا کر تجارت کرنا تواتر کی حد تک مشہور ومعروف ہے، اسی سفر میں حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ ساتھ تھے، انھوں نے آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کا خوب مشاہدہ کیا اور واپسی پر وہ رُودادِ سفر بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے آپ ﷺ سے کہا: لات وعزی کی قسم کھاؤ! آپ ﷺ نے فرمایا میں نے کبھی لات وعزّٰی کی قسم نہیں کھائی، یہ سن کر وہ صاحب کہنے لگے یہ نبی آخر الزماں کی علامت ہے؛ غرض یہ کہ یہی سفر عقدِ مسنون کا سبب اور ذریعہ ثابت ہوا۔

اصولِ تجارت

قرآن کریم، احادیث رسول ﷺ اور سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بزنس اور تجارت بہترین پیشہ اور نبی کی سنت ہے، بشرطیکہ اسلامی اصول اور آداب کا لحاظ رکھا جائے؛ لہٰذا تجارت پیشہ لوگوں کو بہت سے اہم اور شرعی امور کی پابندی کرنی چاہیے اور متعدد کاموں سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے اور ساتھ ہی عقیدہ یہ ہو کہ ان امور کی پابندی اور پرہیز سے دارین کی فلاح مقدر ہوگی۔

تجارت میں مطلوب اوصاف

(۱) تقویٰ: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تاجر لوگ قیامت کے دن نافرمان لوگوں میں شامل کرکے اٹھائے جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈریں، نیکی اختیار کریں اور سچ بولیں۔

(۲) امانت ودیانت: رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: التاجرُ الصدوقُ الأمینُ مع النبیین والصدیقین والشهداء (سچا امانت دار تاجر آخرت میں انبیا، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا) (ترمذی، ج۳، ص۱۴۵)

(۳) سچائی: اوپر کی روایت میں دیانت وامانت کے ساتھ ایک وصف صدق اور سچائی بھی مذکور ہے۔

(۴) نرمی اور حسن اخلاق: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مزارعت کو حرام نہیں فرمایا؛ بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ: ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو (مشکوٰۃ شریف، ص۳۱۵)

(۵) بہتر ادائیگی: آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جو ادائیگی میں سب سے بہتر ہو (بخاری شریف، ج۱، ص۳۲۲)

(۶) تول میں جھکاؤ: اجرت لے کر وزن کرنے والے سے حبیب کبریا ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ زِنْ وأرْجِحْ (تولو اور جھکا ہوا تولو)

(۷) صبح سویرے بیداری: اللہ کے نبی ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میری امت کے لیے اس کی صبح کے اوقات میں برکت عطا فرما، لہٰذا راویِ حدیث حضرت صخر غامدی اپنے تاجروں کو صبح کے وقت ہی بھیجتے تھے؛ چنانچہ وہ مالدار ہوگئے اور ان کے مال میں اضافہ ہوگیا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص۳۳۹)

(۸) صدقہ: قیس بن غرزہؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، اس زمانہ میں ہمیں ''سماسرہ'' کہا جاتا تھا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ''تجار'' کی جماعت! بیشک شیطان اور گناہ دونوں خرید وفروخت میں آجاتے ہیں، پس تم اپنی تجارت کے ساتھ صدقہ کو ملالو (مشکوٰۃ شریف، ص۲۴۳)

(۹) سخاوت: نبیِ آخرالزماں ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ سخی انسان پر رحم فرمائے جب وہ بیچے جب وہ خریدے اور جب وہ تقاضہ کرے (بخاری شریف ج۱، ص۲۷۸)

(۱۰) تنگ دست کی رعایت: نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی تنگ دست کو مہلت دے یا معاف کردے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا، جس دن اللہ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا (ترمذی شریف، ج۱، ص۱۵۶)

مذکورہ بالا اوصاف کے علاوہ تاجر میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع بہت ضروری ہے اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سیرتِ المصطفیٰ کی پہلی جلد میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ بامروت، سب سے زیادہ خلیق، سب سے زیادہ پڑوسیوں کے خبرگیر، سب سے زیادہ حلیم و بردبار، سب سے زیادہ سچے اور سب سے زیادہ امانت دار تھے، لہٰذا یہ تمام اوصاف ہر مسلمان میں ہونے چاہئیں خواہ وہ تاجر ہو یا نہ ہو۔

جن چیزوں جن سے تاجر کو بچنا چاہیے:

(۱) ناپ تول میں کمی: ارشاد باری ہے وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْن إذا اكْتَالُوا على الناسِ يَسْتَوْفُونَ وَإذا كَالوهُمْ أوْ وَزَنُوهم يُخْسِرُونَ (تطفیف) (بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیتے ہیں)

(۲) دھوکہ: رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ غَشّ فَلَيْسَ مِنَّا (جو کوئی دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۸)

(۳) جھوٹ: ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں گناہوں میں سب سے بڑا گناہ نہ بتلاؤں، صحابہؓ نے عرض کیا: ضرور بتلایئے اے اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور آپ ﷺ سہارا لگا کر بیٹھے ہوئے تھے تو بیٹھ گئے اور فرمایا: یاد رکھو اور جھوٹ بات اور جھوٹی گواہی سے بچے (راوی نے) دو مرتبہ کہا، پھر آپ ﷺ اسی کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ ﷺ خاموش نہ ہوں گے (بخاری شریف ص ۸۸۴)

(۵) وعدہ خلافی کرنا: اوپر حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء کی روایت میں گزرا کہ آپ ﷺ حسب وعدہ تین روز تک وعدہ گاہ پر انتظار فرماتے رہے اور بعد میں کوئی جھگڑا یا برا بھلا بھی نہیں کہا (سیرت المصطفیٰ جلد ۱)

(۶) قسم کھانا: عام طور پر تجارت پیشہ لوگوں میں جھوٹی سچی قسمیں کھانے کی عادت ہوتی ہے، لیکن حضرت خدیجہؓ کے مال کو لے کر جب شام تجارت کے لیے گئے تھے تو میسرہ بیان کرتے ہیں ایک صاحب قسم کھلانے لگے تو آپ ﷺ نے قسم کھانے سے انکار فرمادیا (سیرت مصطفیٰ جلد ۱)

(۷) بیجا مناقشہ کرنا: حضرت قیس بن سائبؓ کی روایت گزری کہ آپ ﷺ بہترین شریک

تجارت تھے اور جھگڑا کرتے تھے نہ کسی قسم کا مناقشہ کرتے تھے (ایضاً)

(۸) کسی کو نقصان پہنچانا: نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے اللہ اسے نقصان پہنچائے گا اور کسی کو مشقت میں ڈالے اللہ اس پر مشقت ڈالے گا (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۹)

(۹) گالی گلوج: فحش گوئی اور ہر بُری بات سے اجتناب بھی ضروری ہے، کیوں کہ آپ ﷺ ان چیزوں سے سب سے زیادہ بچتے اور پرہیز کرتے تھے۔

بکرایاں چرانا

فخر الاولین والآخرین، امام الانبیاء والمرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین اور حبیب ربّ العالمین حضرت محمد ﷺ نے جب آنکھیں کھولیں اور ذرا ہوش سنبھالا تو رضاعی والدۂ محترمہ حلیمہ سعدیہ سے پوچھا کہ: رضاعی بھائی عبداللہ نظر نہیں آتے، حضرت سعدیہ نے فرمایا کہ: وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں، اسی وقت فرمایا کل سے میں بھی بھائی عبداللہ کے ہمراہ بکریاں چرانے جاؤں گا، گویا اسی وقت یہ احساس فرمالیا کہ: اپنا بار دوسروں پر ڈالنے کے بجائے خود اٹھانا چاہیے، نیز جب آپ مکہ میں رہتے تھے تو اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے بدلے چراتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مقام ''الظہران'' میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے کہ وہاں پیلو کے پھل چننے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: سیاہ دیکھ کر چنو وہ زیادہ خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتے ہیں، ہم نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ بکریاں چرایا کرتے تھے؟ کہ آپ کو یہ بات معلوم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ کوئی ایسا نبی نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے بھی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ہاں میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا۔

اجرت پر بکریاں چرانا

اجرت لے کر کوئی کام کرنا، خواہ بکریاں چرانا ہو یا کوئی دوسرا کام کرنا شانِ نبوت و رسالت کے خلاف نہیں ہے، بعض سیرت نگاروں کو ایسا محسوس ہوا تو انھوں نے اس واقعہ کی تاویلات فرمائی

ہیں؛ حالاں کہ محققین کی رائے یہی ہے کہ کام کی اجرت اور مزدوری لینا کوئی غیر شرعی امر نہیں ہے اور نہ ہی مقامِ رسالت کے خلاف ہے، ہاں! تبلیغ احکام اور اشاعت دین پر اجرت لینا شانِ نبوت کے خلاف ہے، جس کو جابجا کلام الٰہی میں بیان کیا گیا ہے، نسائی شریف میں حضرت نصر بن حزن سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اونٹ والے اور بکریوں والے آپس میں فخر کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ موسیٰ علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے اور وہ بکریوں کے چرانے والے تھے، داؤد علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے اور وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور میں بھی نبی بنا کر بھیجا گیا اور میں بھی اپنے گھر والوں کی بکریاں مقامِ اجیاد میں چرایا کرتا تھا۔

حضرات انبیا علیہم السلام سے بکریاں چروانا

حاملینِ نبوت ورسالت حضرات انبیا ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو چوں کہ بارگاہِ ایزدی سے ایک خاص مقصد اور مشن کے تحت بھیجا گیا تھا اور وہ ہے امت کی گلہ بانی یعنی بعثت ونبوت سے سرفراز فرمانے کے بعد بنی نوعِ آدم کو ہر ہر نشیب وفراز سے بچاتے ہوئے ہموار راستہ پر چلانا اور گمراہ کن اور پیچیدہ راستوں سے نکال کر صراطِ مستقیم اور معتدل راہ پر چلاتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچانا، اس مقدس وپاکباز گروہ اور جماعت کا فریضۂ منصبی ہوتا تھا اور افرادِ انسان بالکل بے خبر اور بے نکیل جانور کی طرح ہر طرف دوڑنا اور ہر چراگاہ سے چرنا، اپنا فطری عمل جانتے ہیں، پس انبیاء علیہم السلام ہر ہر گام پر حفاظت فرماتے ہیں، جبکہ ہر چہار جانب سے انسانی بھیڑیے شیطان کے حملے ہوتے ہیں، ساتھ ہی نفوس کا مستقل من چاہا راستہ ہوتا ہے، جو رب چاہے راستوں سے ذرہ برابر میل نہیں کھاتا، پس یہ دونوں درندے یعنی شیطان اور نفسِ امّارہ گمراہ کن راستوں کو تمام تر زیبائش وآرائش سے آراستہ کرکے اولادِ آدم اور حوّا کے لاڈلوں کو راہِ راست اور خدائی ڈگر سے ہٹا کر کسی بھی غلط راستے پر ڈالنے کو مقصدِ زندگی سمجھتے ہیں اور شیطان اپنی ذریات کو اسی پر انعامات سے نوازتا ہے کہ کسی صورت بھی انسانوں کو راہِ جنت سے برگشتہ کرکے راہِ جہنم پر گامزن کردیا جائے، اس صورتِ حال میں اگر انبیاء اور رسولوں کی مقدس جماعت کی اور ان کے پیروکاروں کی کاوش وکوشش اور جدوجہد نہ ہوں تو راہِ راست کے راہرو حضرات اور خدا کے فرماں برداروں کا کیا حال ہوگا؟ وہ کسی ادنیٰ عقل رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے، اولادِ آدم اور بناتِ حوّا کی یہ حالت جانوروں میں بکریوں سے بہت زیادہ میل کھاتی ہے کہ اونٹ، گائے، بیل اور بھینس کو چرانا اور

سنبھالنا اتنا مشکل نہیں ہے، جتنا بکریوں کو چرانا اور ان کی حفاظت کرنا مشکل ترین ہے؛ کیوں کہ بکریاں کبھی اِدھر بھاگتی ہیں تو کبھی اُدھر، ابھی یہاں ہیں تو تھوڑی دیر میں وہاں نظر آتی ہیں اور چرواہا بے چارہ سرگرداں اور پریشان رہتا ہے، کبھی اِدھر سے روکتا ہے تو کبھی اُدھر سے، مزید براں بھیڑیے کا خوف وخطرہ ہمہ وقت لگا رہتا ہے، درندہ ہمیشہ گھات میں رہتا ہے کہ کب چرواہے کی نظر ہٹے اور وہ اپنا کام تمام کر بھاگے، چرواہا چاہتا ہے کہ تمام بکریاں یکجا اکٹھی رہیں؛ تاکہ بھیڑیوں اور درندوں سے حفاظت رہے، صبح سے شام تک بھیڑ بکریوں کے پیچھے پیچھے اسی طرح بھاگتا اور دوڑتا رہتا ہے، بالکل اسی طرح حضراتِ انبیاء اولاد آدم کے ریوڑ اور امت کے افراد کے لیے متفکر اور پریشان رہتے ہیں کہ تمام افرادِ امت اور بنی آدم کا پورا ریوڑ راہِ راست اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔ شیطان اور نفس امّارہ کے حملے سے ہر ہر فرد محفوظ رہے، بلکہ نبی اور رسول کو اپنی قوم اور امت کی فکر چرواہے سے بہت زیادہ ہوتی ہے کہ چرواہا کم از کم رات کو سکون کی نیند سوتا ہے؛ لیکن نبی ورسول کو سوتے، جاگتے، کھاتے، پیتے، چلتے، پھرتے ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ امت میں صلاح وفلاح کیسے پیدا ہو اور قوم اپنی ہلاکت وبربادی کے راستے سے بچ کر دائمی راحت وآرام کا راستہ کس طرح اختیار کرے اور قوم وملت بالکل بکریوں کی طرح اپنی ہلاکت وتباہی کی فکر نہیں کرتی، شیطانی درندوں اور نفس کے پھندوں میں قوم پھنستی رہتی ہے، نبی قوم کی یہ حالت دیکھ کر اس قدر دکھی ہوتے ہیں کہ مخلوق اس کا اندازہ شاید نہ کرسکے؛ البتہ خالق کو اس کا اندازہ ضرور ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ عَالِمُ الغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ہے، پس ارشادِ باری ہے: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَنْ لاَّ يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الکہف) (شاید آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان دیدیں گے)

حرفِ آخر

اللہ رب العزت کا یہ مقدس گروہ نہایت برگزیدہ اور چنیدہ ہوتا ہے، تمام انسانوں میں خدا تعالیٰ کا سب سے پسندیدہ طبقہ یہی انبیاء اور رسولوں کا ہے، اگر باری تعالیٰ چاہتا تو دنیا کا مال ودولت اور حکومت واقتدار اس مقدس جماعت کے قدموں میں ڈال دیتا؛ لیکن قانونِ الٰہی اور خدائے بزرگ وبرتر کی عادتِ مبارکہ بالکل مختلف رہی ہے کہ یہ مقربین بارگاہِ خدا اکثر وبیشتر فقر وفاقہ اور تنگ دستی میں مبتلا رہے ہیں، اپنی اور اہل خانہ کی ضروریاتِ زندگی کے لیے جدوجہد اور

محنت ومشقت کرتے نظر آتے ہیں وجہ یہ دکھائی دیتی ہے کہ امت اور قوم سبق حاصل کرے؛ کیوں کہ انسانوں کی اکثریت غربت وافلاس کی شکار ہے اور یہ بات بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے اور پیروی کرنے میں پہل کرنے والے بھی یہی لوگ ہوتے ہیں اور دولت مند حضرات اور صاحب اقتدار لوگ ہمیشہ یا اکثر وبیشتر مخالفت کرتے ہیں؛ کیوں کہ ان کو اپنا اقتدار، اپنی چودھراہٹ اور اپنی موج ومستی ختم ہوتی دِکھتی ہے؛ چنانچہ مخالفت پر کمر کس لیتے ہیں اور دبے کچلے لوگ، معاشرہ میں کمتر سمجھے جانے والے لوگ اور فقر وفاقہ میں مبتلا افراد نبی اور رسول کا دامن تھامنے اور ساتھ دینے میں ہی عافیت وراحت محسوس کرتے ہیں۔ پس نبی اور رسول اپنے ماننے والوں کی اکثریت کو ذریعۂ معاش کا راستہ دکھانے کے لیے کبھی تجارت کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے فضائل وفوائد بیان کرتے ہیں تاکہ امت کا بڑا طبقہ اس پیشہ سے جڑ کر اپنا اور اپنے اہل خانہ کا معاش درست کرسکے، کبھی نبی بکریاں چراتے ہیں کہ امت کا دوسرا گروہ اور بہت سے افراد اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دوسرے کام اختیار کرے خواہ اپنے مویشی سے یا دوسرے لوگوں کے مویشیوں کو اجرت پر چرا کر بچوں کی پرورش وغیرہ کا نظم کرسکے؛ بہرکیف ہر طبقہ اور ہر جماعت اصولِ شریعت (قرآن وحدیث) کے ساتھ ذریعۂ معاش اختیار کرسکتا ہے؛ چنانچہ ہر وہ پیشہ جائز ہوگا جس میں اصولِ شریعت کی مخالفت نہ ہو اور اتباعِ سنت کی بھی نیت ہو، تو دنیا کے ساتھ ساتھ ذخیرۂ آخرت بھی ہوگا، خدا تعالیٰ تمام امت کو اتباعِ سید المرسلین کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے! آمین یارب العالمین۔

❁ ❁ ❁

نظمِ قرآنی

اسرار ورموز، معانی وحکمتیں

از: مولانا محمد عارف جمیل مبارک پوری
استاذ دارالعلوم، دیوبند

قرآن کریم ایک زندہ جاوید کتابِ الٰہی ہے۔ وہ ایک ایسی کتاب ہے، جس کے عجائب وغرائب ختم ہونے والے نہیں، یہ ایک معجزہ ہے۔ اس کتابِ الٰہی کا ہر پہلو معجزاتی ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت جگہ جگہ آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ ایک ہی واقعہ کو مختلف جگہوں پر مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مختلف مقامات پر ایک ہی مادے کے الگ الگ صیغے اور شکلیں ذکر کی گئی ہیں مثلاً (تنزل) اور (تتنزل)۔ کہیں مفرد لفظ آیا ہے تو کہیں جمع مثلاً (معدودۃ)، (معدودات)، (سمار)، (سماوات)، کہیں ایک صیغہ کسی باب سے استعمال کیا گیا ہے، تو دوسری جگہ اسی مادہ کو دوسرے باب سے ذکر کیا گیا ہے۔ ایک ہی نوع کے واقعہ میں کسی لفظ کو ایک جگہ سیاق میں مقدم رکھا گیا ہے، تو دوسری جگہ اس کو موخر کیا گیا ہے، مثلاً سورتِ بقرہ میں (والنصاری والصابئین) آیا ہے، لیکن سورتِ حج میں (والصابؤن والنصاری) میں ''النصاری'' کو موخر کیا گیا، اسی طرح ''لہو'' کا لفظ کسی آیت میں ''لعب'' پر مقدم ہے، تو کسی آیت میں موخر، لفظ ''سمع'' کسی آیت میں ''بصر'' پر مقدم ہے، تو کسی آیت میں موخر ہے، ایک ہی لفظ کو کہیں معرفہ استعمال کیا گیا ہے، تو کہیں نکرہ، مثلاً سورتِ بقرہ میں (بلداً آمناً) اور سورت ابراہیم (ہذا البلد) معرفہ آیا ہے۔

اس طرح کے موقع پر آدمی یہ سوچتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ یہ محض تفننِ کلام اور اندازِ بیان ہے یا اس میں کوئی حکمت پنہاں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کا ایک ایک حرف اور لفظ، اس میں تقدیم وتاخیر، اور الفاظ کی مختلف شکلوں میں بڑے رموز واسرار اور معانی وحکمتیں موجود ہیں۔ ہمارے مفسرین اور علومِ قرآن پر لکھنے والوں نے اس موضوع پر اپنے قلم کو دوڑایا ہے۔ یہ اسرار وحکم، یہ

لولومرجان ہمارے تفسیری ذخیرے میں بھرے پڑے ہیں، ان کو جمع کرنے اور ایک لڑی میں پرونے کی ضرورت ہے۔ زیرنظر مضمون میں مختلف کتابوں کے حوالے سے انہی کو تلاش اور جمع کرنے کی حقیر کوشش کی گئی ہے۔

۱۔(ریح)(ریاح)

ریح کے لغوی معنی ''ہوا'' ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں کہیں مفرد اور کہیں جمع استعمال ہوا ہے۔اس طرح کی آیات پر غائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رحم وکرم کے پس منظر میں جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مثلاً یہ آیاتِ کریمہ:

وَهُوَ الَّذِی يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ [اعراف/۵۷]

''اور وہی ہے جو بارش سے پہلے خوش خبری لانے والی ہوائیں چلاتا ہے''۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ [حجر/۲۲]

''اور ہم نے اوس بھری ہوائیں چلائیں''۔

وَمِنْ آيَاتِهٖ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ [روم/۴۶]

''اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ خوش خبری لانے والی ہوائیں چلاتا ہے''۔

لیکن عذاب کے سیاق وپس منظر میں مفرد لفظ (ریح) استعمال ہوا ہے، مثلاً یہ آیات کریمہ:

(۱) فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحاً صَرْصَراً [حم سجدہ/۱۶]

''پھر ہم نے ان پر بڑے زور کی ہوا بھیجی''۔

(۲) وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ [حاقہ/۶]

''اور وہ جو عاد تھے، سو ایسی ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے برباد ہوئے، جو ہاتھوں سے نکل جائے''۔

(۳) وَفِیْ عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ العَقِيْمَ [ذاریات/۴۱]

''اور عاد میں نشانی ہے، جب ہم نے ان پر خیر سے خالی ہوا بھیجی''۔

فرمانِ نبوی ہے:

اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحاً وَلَا تَجْعَلْهَا رِيْحاً()

(معجم کبیر از طبرانی [11558])

''خدایا! اس کو (رحمت) کی ہوا بنا، (عذاب) کی ہوا نہ بنا''۔

اصفہانی ''غریب القرآن'' (۲۰۶/۱) میں یہ ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کریم میں جہاں جہاں مفرد لفظ (ریح) آیا ہے، اس سے مراد عذاب ہے، اور جہاں جمع (ریاح) آیا ہے، اس سے مراد رحمت ہے۔ اول الذکر کی مثال: (إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحاً صَرْصَرًا)، (فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحاً)، (كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ) اور (اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ) ہے۔ موخر الذکر کی مثال: (وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ)، (أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُفَشِّرَاتٍ) اور (يُرْسِلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا) ہیں۔ اور (يُرْسِلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَاباً) میں رحمت کے معنی میں ہونا اظہر ہے، اس میں ایک قرارت جمع کے لفظ کے ساتھ ہے، اور یہی اصح ہے''۔

ابن ابوحاتم وغیرہ حضرت ابی بن کعب کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''قرآن میں جہاں (ریاح) آیا ہے، اس سے مراد عذاب اور جہاں (ریح) آیا ہے، اس سے مراد رحمت ہے''۔

اس کی حکمت وعلت یہ ہے کہ رحمت کی ہوائیں مختلف جانب سے مختلف فوائد وصفات لے کر اٹھتی ہیں۔ ایک طرف سے جب کوئی ہوا اٹھتی ہے، تو اس کے بالمقابل دوسری طرف بھی ہوا اٹھتی ہے۔ ان ہواؤں کے باہمی اختلاط کے نتیجہ میں ایک خوش گوار نفع بخش ہوا کا وجود ہوتا ہے، جس میں انسان وحیوان ہر ایک کے لیے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس عذاب کی ہوا ایک طرف سے اٹھتی ہے اور اپنے مقابلہ میں کوئی اور ہوا نہیں پاتی، اسی لیے بعض آیات میں اس کو ''عقیم'' کہا گیا ہے۔ (الاتقان ۱۶۷/۱، بحر العلوم از سمرقندی ۱۳۹/۱)

ثعالبی اس ضابطہ کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''ریاح، ریح کی جمع ہے۔ قرآن کریم میں رحمت کے موقع پر یہ لفظ جمع اور عذاب کے موقع پر مفرد آیا ہے؛ البتہ سورت یونس آیت (۲۲): ﴿وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ﴾ اس سے مستثنیٰ ہے۔ عام طور پر قرآن کریم میں یہی انداز ملتا ہے۔ حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحاً وَلَا تَجْعَلْهَا رِيحاً()

(معجم کبیر از طبرانی [11558])

''خدایا! اس کو (رحمت) کی ہوا بنا، (عذاب) کی ہوا نہ بنا''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عذاب کی ہوا سخت ہوتی ہے، جسم واحد کی طرح اس کے اجزاء ملے اور جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس رحمت کی ہوا میں نرمی ہوتی ہے، مختلف جگہوں سے

ٹکڑے ٹکڑے ہوکر آتی ہے؛ اسی لیے اس کو ریاح (ہواؤں) سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں کشتی کے ساتھ مفرد لفظ (ریح) استعمال ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کشتی چلنے کے لیے یک طرفہ ہوا ضروری ہے، نیز (طیبۃ) کی صفت لانے سے یہ وہم ختم ہوجاتا ہے کہ یہ لفظ رحمت اور عذاب کی ہوا میں مشترک ہے"۔ (تفسیر ثعالبی تفسیر سورتِ بقرہ/۱۶۴)

پھر موصوف سورتِ اعراف آیت (۵۷) کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"قرآن کریم میں جہاں "ریاح" جمع کے ساتھ، رحمت کے سیاق میں آیا ہے، مثلاً: ﴿مِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ﴾، اور "ریح" مفرد کے ساتھ عذاب کے سیاق میں آیا ہے، مثلاً: ﴿وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ﴾ [ذاریات/۴۱]، اس کی تشریح سورتِ بقرہ میں آچکی ہے۔ اس آیت (سورتِ اعراف/۵۷) میں افراد ﴿ریح﴾ کی قرارت کو سامنے رکھا جائے، تو اس سے مراد: اسمِ جنس ہے، پھر ﴿بُشْرًا﴾ کی قید سے اشتراک کے وہم کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ (ثعالبی تفسیر سورتِ اعراف/۵۷)

ماوردی رحمت وعذاب کے مابین استعمال میں اس فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رحمت کی ہوائیں: جنوبی، شمالی، اور پوروائی ہوتی ہیں، ان سے درخت باردار ہوتے ہیں، یہ ایک سے زائد ہیں؛ اس لیے ان کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، جب کہ عذاب کی ہوا پچھوائی ہوتی ہے، اس میں درختوں کو باردار کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی؛ اس لیے اس کو مفرد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا"۔ (النکت والعیون از: ماوردی ۳/۲۰۴)

یہ اصول قرآن کریم میں کلی نہیں؛ بلکہ عمومی اور اغلبی ہے، چند آیات اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً

(أ) فرمان باری: حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ، وَفَرِحُوا بِهَا، جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ [یونس/۲۲]

"یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں بیٹھے اور وہ تم کو اچھی ہوا سے لے چلیں، اور اس سے خوش ہوئے، تو کشتیوں پر تند ہوا آئی"۔

یہاں رحمت کی ہوا کے لیے مفرد لفظ (ریح) استعمال کیا گیا ہے، اس کی دو وجوہات ہیں:

۱۔ لفظی طور پر یہ (ریح عاصف) کے مقابلہ میں وراد ہے، اس کی رعایت میں مفرد استعمال ہوا ہے۔

۲۔ معنوی وجہ یہ ہے کہ رحمتِ الٰہی کی تکمیل ہوا میں اتحاد کی شکل میں ہوسکتی ہے۔

کیوں کہ یک طرفہ ہوا سے ہی کشتی چلے گی، اور اگر مختلف جہات سے ہوائیں آجائیں تو کشتی ٹکرا کر غرق اور ہلاک ہوجائے گی؛ یہاں ہوا کا متحد ہونا ضروری اور مطلوب ہے۔ (ریح) کے لفظ سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ یہ آندھی ہے، اس کے ازالہ کے لیے اس ہوا کو (طیبۃ) کہا گیا ہے۔ ()

(من أسرار النظم القرآنی، از: ڈاکٹر محمد عبداللہ سعادت ص ۶۔۷، البرہان فی علوم القرآن ۴/۱۱، تفسیر القطان ۲/۵۳)

(ب) فرمانِ باری: إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ [شوری/۳۳]

''اگر چاہے، تو ہوا کو تھام دے، تو سارے دن اس کی پیٹھ پر ٹھہری ہوئی رہیں''۔

یہ آیتِ کریمہ بھی عام ضابطہ سے مستثنیٰ ہے؛ لیکن ابن منیر کہتے ہیں کہ یہ ضابطہ کے مطابق ہے، یہاں عذاب مراد ہے؛ اس لیے کہ ہوا کا رکنا عذاب اور کشتی والوں کے لیے باعثِ مشقت ہے۔ (الاتقان ۱/۲۲۲)

ابن عطیہ سورتِ فرقان آیت/۴۸ ﴿هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا﴾ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''جمع کی قراءت (یعنی ریاح) زیادہ معقول ہے؛ اس لیے کہ عرف کے اعتبار سے قرآن کریم میں لفظ ''ریح'' مفرد عذاب کے سیاق میں اور بارش ورحمت کے سیاق میں جمع (ریاح) استعمال ہوا ہے۔ اس تفریق کی وجہ یہ ہے کہ بارش کی ہوا متفرق طور پر مختلف مقامات سے ٹھہر ٹھہر کر آتی ہے، جب کہ عذاب کی ہوا ایک بارگی آتی ہے، متفرق طور پر نہیں آتی؛ چناں چہ وہ اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ رمانی کہتے ہیں: رحمت کی ہوا کو ریاح کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ یہ تین ہوائیں (جنوبی، پروائی، اور شمالی) ہیں، ان سے درخت باردار ہوتے ہیں، اور عذاب کی ہوا کے لیے مفرد لفظ ''ریح'' اس لیے استعمال ہوا کہ یہ ایک ہی ہوا (پچھوائی) ہے، اس سے درخت باردار نہیں ہوتے۔ (ابن عطیہ تفسیر سورتِ فرقان آیت/۴۸)

شاید ابن عاشور مفرد وجمع کے استعمال میں اس تفریق سے مطمئن نہیں، وہ سورتِ بقرہ آیت /۱۶۴ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جمع کا لفظ (ریاح) خیر کی ہوا میں اور مفرد لفظ (ریح) مصیبت کی ہوا کے لیے بہ کثرت استعمال ہوتا ہے۔ ان استدلال اس حدیث سے ہے، جس میں فرمانِ نبوی ہے: (اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحاً لَا رِيْحاً)۔ یہ تفریق فی الغالب ہے، ورنہ مفرد لفظ بھی جمع کے موقع

پر استعمال ہوا ہے، یہاں پر دوسری قرا ءت (الریح) بھی ہے۔ مستدل حدیث صحت کے درجہ کی نہیں۔ اور اگر یہ تفریق تسلیم کرلی جائے، تو اس کی بہترین توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ نفع بخش ہوا ہلکی ہوتی ہے، اس کی موجیں رک رک کر آتی ہیں، جس سے لوگوں کو نقصان نہیں پہنچتا، اور چوں کہ یہ ٹھہر ٹھہر کر اٹھتی ہیں؛ اس لیے ان کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، گویا یہ کئی ایک ہوائیں ہیں۔ اس کے برعکس عذاب کی ہوا اور آندھی یک بارگی آتی ہے، اس میں لوگوں کو کوئی موقع نہیں ملتا؛ لہٰذا یہ ایک ہوا کے درجہ میں ہوئی؛ اس لیے اس کو مفرد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ قرطبی نے یہی لکھا ہے۔ (ابن عاشور تفسیر سورتِ بقرہ/۱۶۴)۔

لیکن ابن عاشور سورتِ روم آیت/ ۴۸ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''ریاح کا لفظ جمع لایا گیا ہے؛ اس لیے کہ عام استعمال میں جمع کا لفظ ان ہواؤں کے لیے ہوتا ہے، جو بارش کی بشارت دیتی ہوں؛ کیوں کہ بادلوں کو ہانکنے والی ہوائیں، مختلف سمتوں سے اٹھتی ہیں، یہ جنوبی، شمالی، پوروائی اور پچھوائی ہوائیں ہیں۔ اس کے برعکس مفرد لفظ (ریح) کا عام استعمال سخت اور طاقت ور ہوا کے لیے ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ یک بارگی ایک طرف سے آجاتی ہے، اور تیز ہوتی رہتی ہے۔ روایت میں ہے کہ جب ہوا چلتی تو رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے: (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رِیَاحاً لَا رِیْحاً)۔ سورتِ بقرہ میں اس پر بحث آچکی ہے۔ (ابن عاشور تفسیر سورتِ روم/ ۴۸)

اس تفریق پر اشکال:

مفرد وجمع کے استعمال میں اس تفریق پر بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا ہے کہ قرآن کریم میں بارہ مقامات پر (ریح یا ریاح) کی مختلف قراءتیں ہیں، اس کے ہوتے ہوئے یہ تفریق مشکل ہے؟

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ قراءتوں کے اس اختلاف سے اصل ضابطہ متاثر نہیں ہوتا؛ کیوں کہ رحمت کے سیاق میں جن قراء کے یہاں جمع کی قراءت (ریاح) ہے، وہ اصل ضابطہ کے موافق ہے؛ البتہ رحمت کے سیاق میں جن قراء کے یہاں مفرد کی قراءت (ریح) ہے، تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس سے جنس مراد ہے۔ عذاب کے سیاق میں جمع (ریاح) کہیں استعمال نہیں ہوا، اور جہاں کہیں رحمت کے سیاق میں مفرد لفظ (ریح) آیا ہے، تو اس کی صفت بیان کردی گئی ہے، جس سے التباس ختم ہوجاتا ہے، مثلاً سورتِ یونس میں ﴿بریح طیبۃ﴾ آیا ہے۔ اور اگر اس کی صفت مذکور نہیں، تو اس سے مراد عذاب کی ہوا ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں گزرا۔

مزید براں یہ کہ بسا اوقات قرآن کریم میں کسی لفظ کی کوئی خصوصیت ہوتی ہے، جو اس کے لیے

علامت قرار دی جاتی ہے، مثلاً: قرآن کریم میں جہاں کہیں (یدریك) آیا ہے، وہ مبہم ہے، واضح نہیں، جیسا کہ سورتِ شوری میں ہے: ﴿یُدْرِیكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْب﴾ [شوری/۱۷]۔ اور جہاں کہیں لفظ (أَدْرَاكَ) آیا ہے، وہ مفسر ہے، مثلاً: ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَاهِیَهْ، نَارٌ حَامِیَة﴾ [قارعۃ/۱۰۔۱۱]۔ (دیکھیے: تفسیر النیسابوری ۱/۳۹۱، تفسیر اللباب از ابن عادل ۲/۲۴۴)

خطیب شربینی اس تفریق کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''نفع بخش ہوا کو ''ریاح'' اور مضر ہوا کو ''ریح'' کہنے کی کئی وجوہات ہیں:

۱۔ نفع بخش ہوا مختلف انواع واقسام واجزاء والی ہوتی ہے؛ اس لیے اس کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ نفع بخش ہواؤں کے جھونکے شب وروز آتے رہتے ہیں، جب کہ مضر ہوا سالوں نہیں بلکہ صدیوں میں کبھی اٹھتی ہے۔

۲۔ نفع بخش ہوا ایک نہیں؛ بلکہ متعدد ہوتی ہے، جب کہ مضر ہوا جیسے بادِ سموم، یک بارگی آتی ہے۔

۳۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہوا چلی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِیَاحاً ولَاتَجْعَلها رِیحاً۔ اس میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیحَ العَقِیْمَ﴾ [ذاریات/۴۱] (دیکھیے: السراج المنیر تفسیر سورتِ روم ج ۱ ص ۳۲۲۸)

صاحبِ المنار اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآنی آیات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع کا استعمال، اللہ تعالی کی آیات اور اس کی رحمت خصوصاً بارش کے سیاق میں آیا ہے، جب کہ مفرد (ریح) کا استعمال چند آیات میں قومِ عاد کے عذاب کے تعلق سے وارد ہے، نیز عذاب کی مثال بیان کرتے ہوئے بھی مفرد لفظ استعمال ہوا ہے، مثلاً:

مَثَلُ مَا یُنفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیَاةِ الدُّنیا كَمَثَلِ رِیحٍ فِیْهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أنفُسَهم فَأَهْلَكَتْهُ [آل عمران/۱۱۷]

''اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال جیسے کہ ایک ہوا، اس میں پالا ہو''۔

فرمانِ باری ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوا أعْمَالُهُم كَرَمادِنِ اشْتَدَّتْ بِه الرِّیْحُ فِی یومٍ عَاصِفٍ، لَا یَقْدِرُوْنَ عَلَی شَیءٍ [ابراہیم/۱۸]

''ان لوگوں کا حال، جو اپنے رب کے منکر ہیں' ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے کہ وہ راکھ آندھی کے دن اس پر زور کی ہوا چلے''۔

فرمانِ باری: أَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ [حج/۳۱]

''یا ہوا نے اس کو کسی دور مکان میں جا ڈالا''۔

البتہ تقابل کے وقت عذاب ورحمت دونوں معانی میں استعمال ہے، مثلاً فرمانِ باری ہے:

هُوَ الَّذِيْ يَسِيْرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حتى إذا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طيبة، جَاءَ تْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ [۲۲/۱۰]

''وہی وہ ہے، جو تم خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں بیٹھے اور وہ تم کو اچھی ہوا سے لے چلیں تو کشتیوں پر تند ہوا آئی''۔

سورتِ انبیاء، سبا اور ص میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو ماتحت کیے جانے کے تعلق سے احسانِ الٰہی کے سیاق میں بھی مفرد (ریح) آیا ہے۔

❁ ❁ ❁

جمعہ-فضائل، مسائل اور احکام

از: مولانا محمد نجیب قاسمی، ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجْمَعِین.

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ساری کائنات پیدا فرمائی اور ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی.... سات دن بنائے، اور جمعہ کے دن کو دیگر ایام پر فوقیت دی۔ جمعہ کے فضائل میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ہفتہ کے تمام ایام میں صرف جمعہ کے نام سے ہی قرآن کریم میں سورہ نازل ہوئی ہے جس کی رہتی دنیا تک تلاوت ہوتی رہے گی، ان شاء اللہ۔

سورۂ جمعہ کا مختصر بیان:

سورۂ جمعہ مدنی ہے۔ اس سورہ میں ۱۱ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس کی ابتدا اللہ جل شانہ کی تسبیح اور تعریف سے کی گئی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) الملک (بادشاہ) حقیقی ودائمی بادشاہ، جس کی بادشاہت پر کبھی زوال نہیں ہے۔

(۲) القدوس (پاک ذات) جو ہر عیب سے پاک وصاف ہے۔

(۳) العزیز (زبردست) جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، ساری کائنات کے بغیر سب کچھ کرنے والا ہے۔

(۴) الحکیم (حکمت والا) اُس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی رسالت ونبوت کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہم نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُنھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اُن کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ پھر یہود ونصاریٰ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سورہ کی آخری ۳ آیتوں میں نماز جمعہ کا ذکر ہے:

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے، یعنی نماز کی اذان ہو جائے، تو اللہ کی یاد کے لیے جلدی کرو۔ اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ ﴿آیت ۹﴾ اور جب نماز ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو یعنی رزق حلال تلاش کرو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو؛ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ ﴿آیت ۱۰﴾ جب لوگ سودا بکتا دیکھتے ہیں یا تماشہ ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، تو اُدھر بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ تو فرما دیجیے جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے، تماشے سے اور سودے سے، اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں''۔ ﴿آیت ۱۱﴾

آخری آیت (نمبر ۱۱) کا شانِ نزول: ابتداءِ اسلام میں جمعہ کی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوتا تھا؛ چنانچہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک وحیہ بن خلیفہ کا قافلہ ملکِ شام سے غلّہ لے کر مدینہ منورہ پہنچا۔ اُس زمانے میں مدینہ منورہ میں غلّہ کی انتہائی کمی تھی۔ صحابۂ کرامؓ نے سمجھا کہ نمازِ جمعہ سے فراغت ہوگئی ہے اور گھروں میں غلّہ نہیں ہے، کہیں سامان ختم نہ ہو جائے؛ چنانچہ خطبۂ جمعہ چھوڑ کر باہر خرید وفروخت کے لیے چلے گئے، صرف ۱۲ صحابہ مسجد میں رہ گئے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عراک بن مالکؒ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ، وَصَلَّیْتُ فَرِیْضَتَكَ، وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِی فَارْزُقْنِی مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّازِقِین۔

اے اللہ! میں نے تیری آواز پر حاضری دی، اور تیری فرض نماز ادا کی، پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما، تو سب سے بہتر روزی رساں ہے۔ (ابن ابی حاتم) تفسیر ابن کثیر۔ اس آیت کے پیش نظر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرے، اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)۔

اذانِ جمعہ:

جس اذان کا اس آیت میں ذکر ہے، اس سے مراد وہ اذان ہے، جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں یہی ایک اذان تھی۔ جب آپ حجرہ سے تشریف لاتے، منبر پر جاتے، تو آپ کے منبر پر بیٹھنے کے بعد آپ ﷺ کے سامنے یہ اذان ہوتی

تھی۔ اس سے پہلے کی اذان حضور اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں نہیں تھی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہوگئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ مکان (زوراء) پر کہلوائی تاکہ لوگ نماز کی تیاری میں مشغول ہوجائیں۔ زوراء: مسجد کے قریب سب سے بلند مکان تھا۔

ایک اہم نقطہ:

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا: ''جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے'' ''جب نماز سے فارغ ہوجائیں'' یہ اذان کس طرح دیجائے؟ اس کے الفاظ کیا ہوں؟ نماز کس طرح ادا کریں؟ یہ قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے، البتہ حدیث میں ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کریم سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

جمعہ کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا:

اس کے مختلف اسباب ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) جمعہ ''جمع'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: جمع ہونا؛ کیونکہ مسلمان اِس دن بڑی مساجد میں جمع ہوتے ہیں اور امتِ مسلمہ کے اجتماعات ہوتے ہیں، اِس لیے اِس دن کو جمعہ کہا جاتا ہے۔ (۲) چھ دن میں اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور تمام مخلوق کو پیدا فرمایا۔ جمعہ کے دن مخلوقات کی تخلیق مکمل ہوئی یعنی ساری مخلوق اس دن جمع ہوگئی؛ اس لیے اِس دن کو جمعہ کہا جاتا ہے۔ (۳) اِس دن یعنی جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، یعنی اُن کو اِس دن جمع کیا گیا۔

اسلام کا پہلا جمعہ:

یوم الجمعہ کو پہلے ''یوم العروبہ'' کہا جاتا تھا۔ نبیِ اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے اور سورۂ جمعہ کے نزول سے قبل انصار صحابہؓ نے مدینہ منورہ میں دیکھا کہ یہودی ہفتہ کے دن، اور نصاریٰ اتوار کے دن جمع ہوکر عبادت کرتے ہیں؛ لہٰذا سب نے طے کیا کہ ہم بھی ایک دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے جمع ہوں؛ چنانچہ حضرت ابوامامہؓ کے پاس جمعہ کے دن لوگ جمع ہوئے، حضرت اسعد بن زرارہؓ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ لوگوں نے اپنے اِس اجتماع کی بنیاد پر اِس دن کا نام ''یوم الجمعہ'' رکھا؛ اس طرح سے یہ اسلام کا پہلا جمعہ ہے (تفسیر قرطبی)

نبی اکرم ﷺ کا پہلا جمعہ:

نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کے قریب بنوعمرو بن

عوف کی بستی قبا میں چند روز کے لیے قیام فرمایا۔ قُبا سے روانہ ہونے سے ایک روز قبل جمعرات کے دن آپ ﷺ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے، جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی۔ جمعہ کے دن صبح کو نبی اکرم ﷺ قُبا سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب بنوسالم بن عوف کی آبادی میں پہونچے تو جمعہ کا وقت ہوگیا، تو آپ ﷺ نے بطنِ وادی میں اُس مقام پر جمعہ پڑھایا جہاں اب مسجد (مسجد جمعہ) بنی ہوئی ہے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا پہلا جمعہ ہے (تفسیر قرطبی)۔

جمعہ کے دن کی اہمیت:

یہودیوں نے ہفتہ کا دن پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہیں ہوئی تھی، نصاری نے اتوار کو اختیار کیا، جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی تھی۔ اور اِس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا، جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں؛ لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ مسلم کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں ہوگا (ابن کثیر)۔

جمعہ کے دن کی اہمیت کے متعلق چند احادیث:

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کا دن سارے دنوں کا سردار ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کا دن سارے دنوں میں سب سے زیادہ عظمت والا ہے۔ یہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن سے بھی زیادہ مرتبہ والا ہے۔ اس دن کی پانچ باتیں خاص ہیں:

(۱) اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

(۲) اِسی دن اُن کو زمین پر اتارا۔

(۳) اِسی دن اُن کو موت دی۔

(۴) اِس دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ بندہ اس میں جو چیز بھی مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں؛ بشرطیکہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔

(۵) اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ تمام مقرب فرشتے، آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ، سمندر سب جمعہ کے دن سے گھبراتے ہیں کہ کہیں قیامت قائم نہ ہوجائے؛ اس لیے کہ قیامت، جمعہ کے دن ہی آئے گی (ابن ماجہ)۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورج کے طلوع وغروب والے دنوں میں کوئی بھی دن

جمعہ کے دن سے افضل نہیں، یعنی جمعہ کا دن تمام دنوں سے افضل ہے (صحیح ابن حبان)۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ جمعہ کے دن ارشاد فرمایا: مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے اِس دن کو تمہارے لیے عید کا دن بنایا ہے؛ لہٰذا اِس دن غسل کیا کرو اور مسواک کیا کرو (طبرانی، مجمع الزوائد)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کی سورۂ بروج میں ﴿وشاھد ومشہود﴾ کے ذریعہ قسم کھائی ہے۔ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے یعنی اِس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہوگا، یہ جمعہ کا دن قیامت کے دن اُس کی گواہی دے گا۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے افضل نماز، جمعہ کے دن فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے (طبرانی، بزاز)۔

❁ جہنم کی آگ روزانہ دہکائی جاتی ہے؛ مگر جمعہ کے دن اس کی عظمت اور خاص اہمیت وفضیلت کی وجہ سے جہنم کی آگ نہیں دہکائی جاتی۔ (زادالمعاد ۱/۳۸۷)۔

جمعہ کے دن قبولیت والی گھڑی کی تعیین:

❁ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کا ذکر کیا اور فرمایا: اس میں ایک گھڑی ایسی ہے، جس میں کوئی مسلمان نماز پڑھے، اور اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو عنایت فرمادیتا ہے اور ہاتھ کے اشارے سے آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ وہ ساعت مختصر سی ہے (بخاری)۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ گھڑی خطبہ شروع ہونے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک کا درمیانی وقت ہے (مسلم)۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ مسلمان بندہ جو مانگتا ہے، اللہ اُس کو ضرور عطا فرمادیتے ہیں۔ اور وہ گھڑی عصر کے بعد ہوتی ہے (مسند احمد)۔ مذکورہ حدیث شریف اور دیگر احادیث کی روشنی میں جمعہ کے دن قبولیت والی گھڑی کے متعلق علماء نے دو وقتوں کی تحدید کی ہے: (۱) دونوں خطبوں کا درمیانی وقت، جب امام منبر پر کچھ لمحات کے لیے بیٹھتا ہے۔ (۲) غروبِ آفتاب سے کچھ وقت قبل۔

نمازِ جمعہ کی فضیلت:

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں، جمعہ کی نماز پچھلے جمعہ تک اور رمضان کے روزے پچھلے رمضان تک درمیانی اوقات کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں؛ جب کہ اِن اعمال

کو کرنے والا بڑے گناہوں سے بچے (مسلم)۔ یعنی چھوٹے گناہوں کی معافی ہوجاتی ہے۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر جمعہ کی نماز کے لیے آتا ہے، خوب دھیان سے خطبہ سنتا ہے اور خطبہ کے دوران خاموش رہتا ہے تو اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک، اور مزید تین دن کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں (مسلم)۔

جمعہ کی نماز کے لیے مسجد جلدی پہنچنا:

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح (اہتمام کے ساتھ) غسل کرتا ہے پھر پہلی فرصت میں مسجد جاتا ہے تو گویا اس نے اللہ کی خوشنودی کے لیے اونٹنی قربان کی۔ جو دوسری فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے گائے قربان کی۔ جو تیسری فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے مینڈھا قربان کیا۔ جو چوتھی فرصت میں جاتا ہے، گویا اس نے مرغی قربان کی۔ جو پانچویں فرصت میں جاتا ہے، گویا اس نے انڈے سے خدا کی خوشنودی حاصل کی۔ پھر جب امام خطبہ کے لیے نکل آتا ہے تو فرشتے خطبہ میں شریک ہوکر خطبہ سننے لگتے ہیں (بخاری، مسلم)۔ یہ فرصت (گھڑی) کس وقت سے شروع ہوتی ہے، علماء کی چند آراء ہیں؛ مگر خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حتی الامکان مسجد جلدی پہونچیں، اگر زیادہ جلدی نہ جاسکیں تو کم از کم خطبہ شروع ہونے سے کچھ وقت قبل ضرور مسجد پہنچ جائیں۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں، پہلے آنے والے کا نام پہلے، اس کے بعد آنے والے کا نام اس کے بعد لکھتے ہیں (اسی طرح آنے والوں کے نام ان کے آنے کی ترتیب سے لکھتے رہتے ہیں)۔ جب امام خطبہ دینے کے لیے آتا ہے تو فرشتے اپنے رجسٹر (جن میں آنے والوں کے نام لکھے گئے ہیں) لپیٹ دیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں (مسلم)۔

خطبۂ جمعہ شروع ہونے کے بعد مسجد پہونچنے والے حضرات کی نمازِ جمعہ تو ادا ہوجاتی ہے، مگر نمازِ جمعہ کی فضیلت اُن کو حاصل نہیں ہوتی۔

خطبۂ جمعہ:

جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ نماز سے قبل دو خطبے دئے جائیں؛ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ جمعہ کے دن دو خطبے دئے (مسلم)۔ دونوں خطبوں کے درمیان خطیب کا بیٹھنا بھی سنت ہے (مسلم)۔ منبر پر کھڑے ہوکر ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ دینا سنت ہے۔

دورانِ خطبہ کسی طرح کی بات کرنا؛ حتی کہ نصیحت کرنا بھی منع ہے:

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے روز دورانِ خطبہ اپنے ساتھی سے کہا (خاموش رہو) اس نے بھی لغو کام کیا (مسلم)۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کنکریوں کو ہاتھ لگایا یعنی دورانِ خطبہ اُن سے کھیلتا رہا (یا ہاتھ، چٹائی، کپڑے وغیرہ سے کھیلتا رہا) تو اس نے فضول کام کیا (اور اس کی وجہ سے جمعہ کا خاص ثواب ضائع کر دیا) (مسلم)۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے دوران گوٹھ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے (ترمذی)۔ (آدمی اپنے گھٹنے کھڑے کر کے رانوں کو پیٹ سے لگا کر دونوں ہاتھوں کو باندھ لے تو اسے گوٹھ مارنا کہتے ہیں)۔

❁ حضرت عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن منبر کے قریب بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا آیا جب کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیٹھ جا، تو نے تکلیف دی اور تاخیر کی (صحیح ابن حبان)۔

نوٹ: جب امام خطبہ دے رہا ہو تو لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر آگے جانا منع ہے، پیچھے جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے۔

جمعہ کی نماز کا حکم: جمعہ کی نماز ہر اُس مسلمان، صحت مند، بالغ، مرد پر فرض ہے جو کسی شہر یا ایسے علاقے میں مقیم ہو جہاں روزمرہ کی ضروریات مہیّا ہوں۔ معلوم ہوا کہ عورتوں، بچوں، مسافر اور مریض پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے؛ البتہ عورتیں، بچے، مسافر اور مریض اگر جمعہ کی نماز میں حاضر ہو جائیں تو نماز ادا ہو جائے گی۔ ورنہ اِن حضرات کو جمعہ کی نماز کی جگہ ظہر کی نماز ادا کرنی ہوگی۔

اگر آپ صحراء میں ہیں جہاں کوئی نہیں، یا ہوائی جہاز میں سوار ہیں تو آپ ظہر کی نماز ادا فرمالیں۔

نمازِ جمعہ کی دو رکعت فرض ہیں، جس کے لیے جماعت شرط ہے۔ جمعہ کی دونوں رکعت میں جہری قراءت ضروری ہے۔ نمازِ جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۂ الغاشیہ، یا سورۃ الجمعہ اور سورۃ المنافقون کی تلاوت کرنا مسنون ہے۔

جمعہ کے چند سنن وآداب:

جمعہ کے دن غسل کرنا واجب یا سنتِ مؤکدہ ہے، یعنی عذرِ شرعی کے بغیر جمعہ کے دن کے

غسل کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ پاکی کا اہتمام کرنا، تیل لگانا، خوشبو استعمال کرنا، اور حسبِ استطاعت اچھے کپڑے پہننا سنت ہے۔

❁ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن کا غسل، گناہوں کو بالوں کی جڑوں تک سے نکال دیتا ہے (طبرانی، مجمع الزوائد)۔ یعنی صغائر گناہ معاف ہوجاتے ہیں، بڑے گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے؛ اگر صغائر گناہ نہیں ہیں تو نیکیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

❁ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے، جتنا ہوسکے پاکی کا اہتمام کرتا ہے اور تیل لگاتا ہے یا خوشبو استعمال کرتا ہے، پھر مسجد جاتا ہے، مسجد پہنچ کر جو دو آدمی پہلے سے بیٹھے ہوں ان کے درمیان میں نہیں بیٹھتا، اور جتنی توفیق ہو جمعہ سے پہلے نماز پڑھتا ہے، پھر جب امام خطبہ دیتا ہے اس کو توجہ اور خاموشی سے سنتا ہے تو اِس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہ کو معاف ہوجاتے ہیں (بخاری)۔

❁ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، پھر مسجد میں آیا، اور جتنی نماز اس کے مقدر میں تھی ادا کی، پھر خطبہ ہونے تک خاموش رہا اور امام کے ساتھ فرض نماز ادا کی، اس کے جمعہ سے جمعہ تک اور مزید تین دن کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں (مسلم)۔

❁ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے، اگر خوشبو ہو تو اسے بھی استعمال کرتا ہے، اچھے کپڑے پہنتا ہے، اس کے بعد مسجد جاتا ہے، پھر مسجد آکر اگر موقع ہو تو نفل نماز پڑھ لیتا ہے اور کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتا۔ پھر جب امام خطبہ دینے کے لیے آتا ہے، اس وقت سے نماز ہونے تک خاموش رہتا ہے یعنی کوئی بات چیت نہیں کرتا تو یہ اعمال اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہوجاتے ہیں (مسند احمد)۔

سننِ جمعہ :

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سے قبل بابرکت گھڑیوں میں جتنی زیادہ سے زیادہ نماز پڑھ سکیں، پڑھیں۔ کم از کم خطبہ شروع ہونے سے پہلے چار رکعتیں تو پڑھ ہی لیں جیسا کہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ صفحہ ۱۳۱) میں مذکور ہے: مشہور تابعی حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ نمازِ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے (نماز پیمبر صفحہ ۲۷۹)۔

نمازِ جمعہ کے بعد دو رکعتیں یا چار رکعتیں یا چھ رکعتیں پڑھیں، یہ تینوں عمل نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ چھ رکعت پڑھ لیں تاکہ تمام احادیث پر عمل ہوجائے

اور چھ رکعتوں کا ثواب بھی مل جائے؛ اسی لیے علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنی چاہئیں، اور حضراتِ صحابہ کرامؓ سے چھ رکعات بھی منقول ہیں (مختصر فتاوی ابن تیمیہ، صفحہ ۷۹) (نماز پیمبر صفحہ ۲۸۱)۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھ لے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے (مسلم)۔

❁ حضرت سالمؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے (مسلم)۔

❁ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر بن عبداللہؓ کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا کہ جس مصلیٰ پر آپ نے جمعہ پڑھا، اس سے تھوڑا سا ہٹ جاتے تھے، پھر دو رکعتیں پڑھتے، پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو کتنی مرتبہ ایسا کرتے دیکھا؟ انھوں نے فرمایا کہ بہت مرتبہ۔ (ابوداؤد)۔

نمازِ جمعہ چھوڑنے پر وعیدیں:

❁ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جمعہ نہ پڑھنے والوں کے بارے میں فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر جمعہ نہ پڑھنے والوں کو اُن کے گھروں سمیت جلاڈالوں (مسلم)۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: خبردار! لوگ جمعہ چھوڑنے سے رک جائیں یا پھر اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مہر لگادے گا، پھر یہ لوگ غافلین میں سے ہوجائیں گے (مسلم)۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے تین جمعہ غفلت کی وجہ سے چھوڑ دئے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگادے گا (نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد)۔

جمعہ کی نماز کے لیے پیدل جانا:

❁ حضرت یزید بن ابی مریمؒ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی نماز کے لیے پیدل جارہا تھا کہ حضرت عبایہ بن رافعؒ مجھے مل گئے اور فرمانے لگے تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہارے یہ قدم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہیں۔ میں نے ابوعبسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس کے قدم اللہ کے راستہ میں غبارآلود ہوئے تو وہ قدم جہنم کی آگ پر حرام ہے (ترمذی)۔ اسی مضمون کی روایت کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔

جمعہ کے دن یا رات میں سورۂ کہف کی تلاوت:

❁ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سورۂ کہف کی تلاوت جمعہ کے دن کرے گا، آئندہ جمعہ تک اس کے لیے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی (نسائی، بیہقی، حاکم)۔

❁ سورۂ کہف کے پڑھنے سے گھر میں سکینت و برکت نازل ہوتی ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے سورۂ کہف پڑھی، گھر میں ایک جانور تھا، وہ بدکنا شروع ہوگیا، انہوں نے غور سے دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انھیں ایک بادل نظر آیا جس نے انھیں ڈھانپ رکھا تھا۔ صحابیؓ نے اس واقعہ کا ذکر جب نبی اکرم ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سورۂ کہف پڑھا کرو۔ قرآن کریم پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری، فضل سورۃ الکہف۔ مسلم، کتاب الصلاۃ)۔

جمعہ کے دن دُرود شریف پڑھنے کی خاص فضیلت:

❁ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اِس دن کثرت سے دُرود پڑھا کرو؛ کیونکہ تمہارا دُرود پڑھنا مجھے پہونچایا جاتا ہے (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان)۔

❁ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کثرت سے دُرود پڑھا کرو، جو ایسا کرے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا (بیہقی)۔

جمعہ کے دن یا رات میں انتقال کرجانے والے کی خاص فضیلت:

❁ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرجائے، اللہ تعالیٰ اُس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ فرمادیتے ہیں (مسند احمد، ترمذی)۔

❁ ❁ ❁

حرمتِ تصویر کی نوعیت

از: مولانا محمد شعیب اللہ خاں
جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

تصویر کی حرمت پر بہت سے علماء نے اب تک بہت کچھ لکھا ہے اور ہند و بیرونِ ہند کے دارالافتاؤں سے بھی اس کے بارے میں حرمت کے فتاوی بار بار جاری ہوتے رہے ہیں۔ اور تقریباً اس کا حرام و ناجائز ہونا عوام وخواص کے نزدیک ایک مسلمہ امر ہے؛ مگر اس کے باوجود اس میں عوام تو عوام خواصِ امت کا بھی ابتلاء عام ہے، اور اسی صورتِ حال کو دیکھ کر بعض ناواقف لوگوں کو اس کے جائز ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے، بالخصوص جب علماء و مدارس اسلامیہ کے ذمہ دار حضرات کی جانب سے تصاویر کے سلسلہ میں نرم رویہ برتا جاتا ہے اور ان کی تصاویر اخبارات و رسائل و جرائد میں بلا کسی روک ٹوک کے شائع ہوتی ہیں، تو ایک عام آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ حلال ہونے کی وجہ سے لی جارہی ہے یا یہ کہ ان کے تساہل کا نتیجہ ہے؟ پھر جب وہ علماء کی جانب رجوع کرتا ہے اور اس کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں سوال کرتا ہے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ تو حرام ہے۔ اس سے اس کی پریشانی اور بڑھ جاتی ہے اور وہ علماء کے بارے میں کسی منفی رائے کے قائم کرنے میں حق بجانب معلوم ہوتا ہے۔ علماء کی تصاویر کے سلسلہ نے جہاں عوام الناس کو بے چینی و پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے، وہیں اس سے ایک حرام کے حلال سمجھنے کا رجحان بھی پیدا ہو رہا ہے، جو اور بھی زیادہ خطرناک و انتہائی تشویش ناک صورت حال ہے؛ کیونکہ حرام کو حرام اور حلال کو حلال سمجھنا ایمان کا لازمہ ہے، اگر کوئی حرام کو حلال سمجھنے لگے تو اس سے ایمان بھی متأثر ہوتا ہے۔

کسی عربی شاعر نے اسی صورت پر دلگیر ہو کر یہ مرثیہ لکھا ہے:

كَفٰى حُزْنًا لِلدِّيْنِ أَنَّ حَمَاتَهُ
اِذَا خَذَلُوْهُ قُلْ لَنَا كَيْفَ يُنْصَرُ

مَتٰی یَسْلَمُ الْاِسْلَامُ مِمَّا أَصَابَهٗ
اِذَا کَانَ مَنْ یُرْجٰی یُخَافُ وَ یُحْذَرُ

(دین پر غم کے لیے یہ کافی ہے کہ دین کے محافظ ہی جب اس کو ذلیل کریں تو مجھے بتاؤ دین کی کیسے نصرت ہوگی؟ اسلام کب ان باتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو اس کو پیش آرہی ہیں جبکہ جن لوگوں سے اسلام کی حفاظت کے لیے امید لگی ہوئی تھی انھیں سے اس کو خوف وخطرہ لاحق ہوگیا ہے)

آج کئی مدارس اور علماء اور دینی وملی تحریکات کے ذمہ داران کی تصاویر آئے دن اخبارات میں بلا تامل شائع ہوتی ہیں، یہاں تک کہ بعض علماء کی جانب سے شائع ہونے والے ماہناموں میں بھی تصاویر کی بھرمار ہوتی ہے اور ان میں عورتوں اور لڑکیوں کی تصاویر بھی ہوتی ہیں۔ کیا یہ صورتِ حال انتہائی تعجب خیز اور افسوس ناک نہیں؟ علماء جو رہبرانِ قوم تھے ان کا خود یہ حال ہو تو عوام الناس کہاں جائیں؟ کسی شاعر نے کہا:

بِالْمِلْحِ نُصْلِحُ مَا نَخْشٰی تَغَیُّرَهٗ فَکَیْفَ بِالْمِلْحِ اِنْ حَلَّتْ بِهِ الْغِیَرُ

(ہم نمک کے ذریعہ اس کھانے کی اصلاح کرتے ہیں جس کے خراب ہوجانے کا خدشہ ہو، اگر نمک ہی میں خرابی پیدا ہوجائے تو کیا حال ہوگا)

ہمارے اکابر وعلماء ومشائخ تو حلال امور میں بھی احتیاط برتتے اور لوگوں کے لیے تقوے کا ایک اعلیٰ نمونہ ہوا کرتے تھے، اور یہاں یہ ہورہا ہے کہ حرام کا ارتکاب بے محابا اور کھلے طور پر کیا جارہا ہے۔ اگر اس میں اختلاف بھی مان لیا جائے تو رہبرانِ قوم کا کیا فرض بنتا ہے؟ اس پر غور کیجیے۔

حرمتِ تصویر اور جمہورِ امت کا مسلک

عکسی تصویر اور ٹی وی اور ویڈیو کے بارے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ علماء ہندو پاک ہی ان کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور عالم اسلام کے دوسرے علماء جیسے علماء عرب ومصر وغیرہ سب کے سب ان کو جائز کہتے ہیں، یہ غلط فہمی خود بندے کو بھی رہی لیکن ایک مطالعہ کے دوران علماء عرب ومصر کے متعدد فتاوی وتحریرات نظر سے گزریں تو اندازہ ہوا کہ ان حضرات میں سے بھی جمہور علماء کا ''عکسی تصویر'' اور ''ٹی وی'' اور ''ویڈیو'' کے بارے میں وہی نقطۂ نظر ہے جو ہندوستانی و پاکستانی علماء کا شروع سے رہا ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ وہاں کے بعض گنے چنے علماء نے عکسی تصویر کو جائز کہا ہے اور ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر کو بھی عکس مان کر ان کو بھی جائز کہا ہے، لیکن یہ وہاں کے جمہور کا فتوی نہیں ہے،

جمہور علماء اسی کے قائل ہیں کہ یہ تصاویر کے حکم میں ہیں اور اس لیے حرام و ناجائز ہیں۔ اور خود وہاں کے علماء نے مجوزین کا خوب رد و انکار بھی کر دیا ہے۔ جیسے شیخ حمود بن عبد اللہ التویجری نے ''تحریم التصویر'' اور ''الاعلان بالنکیر علی المفتونین بالتصویر'' نامی رسائل اسی سلسلہ میں لکھے ہیں، نیز جامعہ قصیم کے استاذ شیخ عبداللہ بن محمد الطیار نے ''صناعة الصورة بالید مع بیان احکام التصویر الفوتوغرافي'' کے نام سے رسالہ لکھا ہے، اور مصر کے عالم شیخ ابوذر القلمونی نے ''فتنة تصویر العلماء'' کے نام سے ان کا رد لکھا ہے، نیز علماء نے اپنے اپنے فتاوی میں بھی اس پر کلام کیا ہے۔ اسی طرح ڈش آنٹینا جس کا فساد اب حد سے تجاوز کر گیا ہے اور اس نے انسانوں کی تباہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے، اس کے بارے میں بھی علماء عرب کے فتاوی میں حرمت کا حکم اور اس سے بچنے کی تلقین موجود ہے۔

حرمتِ تصویر اور علماء ہندو پاک

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ کیمرے کی عکسی تصویر کی حرمت میں اگر چہ معاصر علماء کے درمیان میں اختلاف ہوا ہے، اور ایک چھوٹی سی جماعت اس کے جواز کی جانب مائل ہوئی ہے لیکن اس میں کیا شک ہے کہ تصویر کی حرمت جمہور امت کا متفقہ فتوی و فیصلہ ہے، عرب سے لے کر عجم تک جمہور امت نے اسی کو قبول کیا ہے۔

جہاں تک علماء ہندو پاک کا تعلق ہے، بات بالکل واضح و مسلم ہے۔ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تو اپنے رسالہ ''التصویر لأحکام التصویر'' میں یہ تصریح کی ہے کہ ان کے زمانے تک کم از کم ہندوستان (جو اس وقت تک غیر منقسم تھا) میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے علاوہ کسی نے جواز پر قلم نہیں اٹھایا اور پھر انھوں نے بھی اس سے رجوع کر لیا۔ (جواہر الفقہ: ۱۷۱/۳)

یہاں یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ماہنامہ ''معارف'' کی متعدد قسطوں میں ایک مضمون عکسی تصویر کے جائز ہونے پر لکھا تھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کے رد میں ''التصویر لأحکام التصویر'' لکھی، اس کو دیکھ کر حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے جواز کے قول سے رجوع کر لیا تھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ یہ رجوع و اعتراف کا مضمون علامہ سید صاحب کے کمال علم اور کمال تقوی کا بہت بڑا شاہکار ہے، اس پر خود حضرت مرشد تھانوی سیدی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے غیر معمولی مسرت کا اظہار نظم میں فرمایا۔

اس سلسلہ میں دوسری بڑی شہادت و گواہی یہ ہے کہ عالم اسلام کی مشہور ومعروف علمی و روحانی شخصیت حضرت اقدس مولانا ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ نے بھی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ہندوستان کے تمام مسلمان تصویر کے حرام ہونے پر متفق ہیں۔ چنانچہ آپ کی کتاب لاجواب ''**ما ذا خسر العالم بانحطاط المسلمین**'' کے شروع میں فضیلۃ الشیخ الاستاذ احمد الشرباصی نے حضرت والا کا جو تعارف لکھا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''آپ ہر قسم کی تصویر کو برا سمجھتے تھے، اور خود پر اس کو پوری سختی سے حرام قرار دیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں ایک بار آپ کے ساتھ قاہرہ کے ایک بڑے مطبع میں گیا تو مطبع کے مصور نے آپ کی ایک یادگار تصویر اتارنے کی اجازت چاہی تو آپ نے منع کردیا اور ذکر کیا کہ: **ان المسلمین في الهند متفقون على حرمة التصوير**'' (ہندوستان کے مسلمان تصویر کی حرمت پر متفق ہیں) (ماذا خسر العالم:۲۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا ابوالحسن ندوی علیہ الرحمہ بھی خود تصویر کو حرام سمجھتے تھے اور اس کو کم از کم ہندوستان کے تمام علماء کا متفقہ فیصلہ قرار دیتے تھے۔

اور یہاں یہ بھی عرض کر دینا خالی از فائدہ وعبرت نہیں کہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم جنھوں نے مدتِ دراز تک اپنا مشہور اخبار ''الہلال'' با تصویر شائع کیا، جب وہ رانچی کی جیل میں تھے، آپ کے متعلقین نے آپ کی سوانح شائع کرنا چاہی تو آپ سے سوانح کے ساتھ شائع کرنے کے لیے ایک تصویر کا مطالبہ کیا، اس پر مولانا ابوالکلام آزاد نے جو جواب دیا وہ خود اسی ''تذکرہ'' میں شائع کیا گیا ہے، جس میں آپ نے لکھا ہے کہ:

''تصویر کا کھنچوانا، رکھنا، شائع کرنا سب ناجائز ہے، یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی اور ''الہلال'' کو با تصویر نکالا تھا، اب میں اس غلطی سے تائب ہو چکا ہوں، میری پچھلی لغزشوں کو چھپانا چاہئے نہ کہ از سر نو ان کی تشہیر کرنا چاہیے''۔ (بحوالہ جواہر الفقہ: ۱۷۱/۳)

الغرض اس سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کم از کم ہندوستان کے علماء کا تصویر کے عدم جواز پر اتفاق تھا۔ اور رہا حضرت سلیمان ندوی کا جواز کا خیال، تو آپ نے خود اس سے رجوع کرلیا اور سب کے موافق عدم جواز کے قائل ہو گئے۔

تصویر کے بارے میں علماء عرب ومصر کا موقف

اسی طرح دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی جمہور علماء کا فتوی تصویر کے ناجائز ہونے ہی کا ہے،

عام طور پر لوگ مصر کے علماء کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، مگر یہاں بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بھی مصر کے چند علماء کا فتوی ہے، سب کا اور جمہور کا نہیں، اس کی شہادت مصر ہی کے ایک عالم شیخ ابو ذر القلمونی کی یہ عبارت دیتی ہے جو انھوں نے اپنی کتاب " **فتنة تصوير العلماء** "، میں لکھی ہے کہ:

" ثم حريّ بطلبة العلم تدارك هذه الفتنة، اذ تحريم التصاوير كان مستقرا بين اخواننا، ثم في العقد الاخير اخذ هذا المنكر يفشو و يذيع ،حتى صار هو الاصل، وصار المحق عازفا عن الانكار، اجتنابا للذم". (فتنة تصوير العلماء: ٥)

اس سے معلوم ہوا کہ مصر میں بھی جمہور علماء کے مابین یہی بات مسلم و طے شدہ تھی کہ تصویر حرام ہے۔ لہٰذا مطلقاً یہ کہنا کہ مصر کے علماء اس کو جائز کہتے ہیں خلاف واقعہ ہے۔

اور سعودی حکومت کی جانب سے قائم کردہ دارالافتاء اور علمی مسائل کی تحقیق کا ایک بڑا و معتبر عالمی مرکز "**اللجنة الدائمة للبحوث العلمية و الإفتاء**" نے ایک فتوی میں کہا کہ:

"القول الصحيح الذي دلت عليه الأدلة الشرعية وعليه جماهير العلماء :أن أدلة تحريم تصوير ذوات الأرواح تضم التصوير الفوتوغرافي و اليدوي،مجسما أو غير مجسم ،لعموم الادلة".

(صحیح قول جس پر شرعی دلائل دلالت کرتے ہیں اور جس پر جمہور علماء قائم ہیں یہ ہے کہ جاندار چیزوں کی تصویر کی حرمت کے دلائل فوٹو گرافی کی تصویر اور ہاتھ سے بنائی جانے والی تصاویر سبھی کو شامل ہیں، خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم ہو، دلائل کے عام ہونے کی وجہ سے) (فتاوی اسلامیۃ: ۳۵۵/۴)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ جمہور امت خواہ وہ مصر کے لوگ ہوں یا سعودی کے یا کسی اور علاقے کے وہاں جمہور اس کے عدم جواز پر متفق ہیں۔

نیز یہ بھی سنتے چلیے کہ ایک مرتبہ عربی مجلّہ "عکاظ" میں سات علماء کا تصویر کے جواز کا فتوی شائع ہوا، تو علماء نے اسی وقت اس کا رد کیا۔ سعودی عرب کے ایک مفتی شیخ حمود بن عبداللہ بن حمود التویجری نے "تحریم التصویر" کے نام سے اس کا باقاعدہ رد لکھا ہے، اس رسالہ میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

" جریدہ عکاظ والوں نے اس شاذ فتوی کا جو رسول اللہ ﷺ کے تصاویر کو مٹانے کے حکم کے

مخالف ہے، اس کا جو عنوان رکھا ہے وہ ہے: علماء مصلحت پر متفق ہیں، اور یہ کہ تصویر حرام نہیں ہے۔ اس باطل عنوان کو قائم کرنے میں اہل جریدہ کو بہت بڑی خطا لگی ہے، کیونکہ اس سے عوام یا خواص کالعوام کو یہ وہم ہوتا ہے کہ مصلحت کی وجہ سے تصویر لینے کے حلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور یہ کتاب اللہ وسنت رسول کو مضبوط پکڑنے والے متقدمین ومتأخرین علماء پر ایک بہتان ہے؛ کیونکہ وہ تو تصویر سے منع کرتے اور اس میں سختی کرتے ہیں، اور ان سہولت پسند لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں جو فتوی دینے میں بغیر تثبت کے جلد بازی کرتے ہیں؛ کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں مصلحت سے یا بغیر مصلحت کسی بھی وجہ سے تصویر کا حلال ہونا وارد نہیں ہے۔ اور اگر ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں جس میں کوئی نص نہ ہو، سات علماء ایک قول پر اجماع کرلیں اور ان کی بات معقول بھی ہو تب بھی ان کا قول اجماع نہیں ہے جس کا ماننا لازم ہو، بلکہ ان کے اور دیگر علماء کے اقوال کو دیکھا جائے گا اور ان کی بات قبول کی جائے گی، جن کا قول کتاب اللہ وسنت سے مؤید ہو۔ (تحریم التصویر:۲)

دیکھیے کس قدر صفائی کے ساتھ اس فتوی کو شاذ اور مخالف احادیث قرار دیا ہے اور جمہور علماء کے نقطۂ نظر سے ٹکرانے والا قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حجاز ومصر کے جمہور علماء بھی حرمتِ تصویر پر متفق ہیں۔

تصویر کے باب میں اختلاف کی حیثیت

ہاں بعض علماء جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، انھوں نے ضرورۃً عکسی تصویر کے متعلق جواز کا فتوی دیا ہے، مگر اس کے بارے میں غور طلب بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف کی حیثیت ونوعیت کیا ہے؟

کیونکہ بنظرِ غائر مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہر اختلاف ایک ہی درجہ کا نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ سے مسئلہ میں تخفیف نہیں ہوجاتی، بلکہ اس میں بھی اختلاف کی نوعیت و حیثیت کا لحاظ رکھنا پڑے گا، ورنہ غور کیجیے کہ ڈاڑھی منڈانے کے مسئلہ میں بھی مصریوں کا اختلاف ہے، جمہور امت یہ کہتی ہے کہ حرام ہے جبکہ مصریوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے، حتی کہ جامعۃ الازہر کے بعض مفتیوں نے بھی اس کو صرف سنت کہتے ہوئے منڈانے کو جائز کہا ہے۔ (دیکھو فتاوی الازہر: ۱۶۶/۲)

کیا اس کا کوئی اثر جمہور امت نے قبول کیا؟ اور کیا اس کی وجہ سے حرمت کے فتوے میں کوئی گنجائش برتی گئی؟ کیا یہاں بھی یہ کہا جاسکے گا کہ ڈاڑھی منڈانے کے مسئلہ میں چونکہ مصریوں

کا اختلاف ہے، اس لیے اس میں بھی شدت نہ برتی جائے اور منڈانے والوں کو گنجائش دی جائے، اور اگر امام لوگ بھی منڈائیں، تو ان پر بھی کوئی نکیر نہ کی جائے؟

اسی طرح ربا یعنی سود کی حرمت ایک متفقہ امر ہے مگر چند برسوں سے بینکوں کے نظام کے تحت وصول ہونے والے سود کو بعض لوگ جائز کہنے لگے ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور نزول قرآن کے وقت جو سود رائج تھا وہ ذاتی و شخصی ضروریات پر لیے جانے والے قرضوں کی بنیاد پر لیا جاتا تھا اور یہ واقعی ایک ظلم ہے، لہٰذا وہ ناجائز ہے، مگر بینکوں کے اس دور میں قرضے ذاتی ضرورت کے بجائے تجارتی ضرورت کے لیے لیے جاتے ہیں اور اس میں حرمتِ سود کی وہ علت نہیں پائی جاتی جو اُس دور میں تھی، لہٰذا یہ بینکوں والا سود جائز ہے۔ اور لکھنے والوں نے اس پر مضامین بھی لکھے اور کتابیں بھی لکھیں، جیسے ایک صاحب نے ''کمرشیل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت'' لکھی ہے۔ فرمائیے کہ کیا اس اختلاف کو بھی مؤثر مانا جائے گا؟ اور اس کی وجہ سے سود کی حرمت بھی حدودِ جواز میں داخل سمجھی جائے گی اور اس میں سختی کرنا فعل مکروہ اور غیر دانشمندانہ کام ہوگا؟

ایک اور مسئلہ سنیے کہ چاند کے ثبوت کا مدار شریعت نے رویت پر رکھا ہے، نہ کہ فلکیاتی حسابات پر، جمہور امت نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور اس سے ہٹ کر ایک طائفہ قلیلہ نے چاند کے ثبوت کے لیے فلکیاتی حسابات کو بھی معیار مانا ہے مگر اس کو علماء نے مذہب باطل قرار دیا ہے۔

اسی طرح گانا بجانا مزامیر کے ساتھ حرام ہے، مگر اس میں علامہ ابن حزم ظاہری، علامہ محمد بن طاہر المقدسی اور علامہ ابوالفرج اصفہانی نے اختلاف کیا ہے اور اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور بالخصوص آخری دو حضرات نے تو اس سلسلہ میں مواد فراہم کرنے کی بڑی کوشش کی ہے حتی کہ ابو الفرج نے اپنی کتاب ''الاغانی'' میں شرابیوں کبابیوں، گویوں اور موسیقاروں کے حالات بھی خوب جمع کر دئے ہیں مگر کیا اس اختلاف کو کسی بھی معتبر عالم و مفتی نے درخورِ اعتناء سمجھا اور گانے بجانے کی حرمت کو خفیف و معمولی قرار دیا؟

اسی طرح ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں یا تین؟ اس میں جمہور امت کا موقف یہ ہے کہ تین طلاق تین ہی ہوتی ہیں خواہ مجلس ایک ہو یا الگ الگ۔ مگر علامہ ابن تیمیہ نے اس میں بعض حضرات صحابہ و ائمہ کے اختلاف کا ذکر کیا ہے، اور امت کے علماء و عوام میں سے اہل حدیث و اہل ظواہر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں، مگر جمہور امت نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ فتوی اسی پر دیا گیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی

ہیں۔ دیکھئے اختلاف ہونے کے باوجود اس کا کوئی اثر حرمت کے فتوے پر نہیں پڑا۔ کیا کسی معتبر عالم ومفتی نے اس اختلاف کے پیش نظر ایک مجلس کی تین طلاق میں ایک قرار دینے کی گنجائش دی؟

اس کی ایک اور مثال لیجیے کہ اسلاف میں سے بعض بڑی اہم شخصیات سے متعہ کا جواز نقل کیا گیا ہے، جس کو جمہور امت نے قبول نہیں کیا، اور بعد کے ادوار میں تو اس کی حرمت پر اجماع ہی ہوگیا۔ (دیکھو فتح الباری: ۹/۱۷۳)

اسی طرح بعض بڑے بڑے صحابہ وائمہ سے جواز وطی فی الدبر کا قول بھی منقول ہے، اگرچہ کہ بعض کی جانب اس کا انتساب صحیح طور پر ثابت نہیں؛ لیکن بعض حضرات جیسے ابن عمرؓ سے اس کا بروایت صحیحہ ثابت ہونا، ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کیا ہے؛ لیکن حضرت ابن عباس نے ان کی بات کو وہم قرار دیا ہے۔ اسی طرح بعض نے امام مالکؒ سے اس کا ثابت ہونا لکھا ہے، اگرچہ کہ ان کے اصحاب اس کا انکار کرتے ہیں۔ (دیکھو تفسیر القرطبی: ۳/۹۳، الدر المنثور: ۲/۶۱۰-۶۱۲، فتح الباری: ۸/۱۹۰، عمدۃ القاری: ۲۶/۲/۴۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر اختلاف ایک درجہ کا نہیں، کہ اس کو اہمیت دی جائے اور اس کی وجہ سے مسئلہ میں خفت وہلکا پن خیال کیا جائے؛ لہٰذا جو حضرات اس کو ایک اختلافی مسئلہ قرار دیکر اس کی حرمت کو ہلکا سمجھتے یا سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ ایک سعی لاحاصل میں لگے ہوئے ہیں۔

اختلاف سے فائدہ اٹھانے والوں کے لیے قابل غور بات

لہٰذا یہاں ان حضرات کے لیے جو اختلاف سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں دو باتیں قابل غور ہیں:

ایک تو یہ کہ تصویر کو جائز کہنے والوں نے کسی مضبوط دلیل کی بنیاد پر جواز کو اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ بعض احادیث کے سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار ہوکر جواز کی بات کہی ہے۔ اور وہ غلط فہمی کیا ہے؟ اس کا ذکر اس رسالہ میں علماء کے فتاوی سے معلوم ہوجائے گی؛ لہٰذا کسی غلط فہمی کی بنیاد پر اختلاف کو دلیل کی بنیاد پر اختلاف کے درجہ میں سمجھنا ایک اصولی غلطی ہے۔ اس اختلاف کی مثال ڈاڑھی منڈانے میں اختلاف سے دی جاسکتی، جس کو محض ایک غلط فہمی کہا جاسکتا ہے؛ لہٰذا ان مجوزین کا قول ایک شاذ قول کی حیثیت رکھتا ہے، جس کو معمول بہ بنانا اور اس پر عمل درآمد کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ بالخصوص اس صورت میں جب کہ جواز کے دلائل کے ضعف وکمزوری کو حضرات علماء نے واضح کرکے حقیقت سے پردہ اٹھادیا اور جائز قرار دینے والوں کی غلط فہمی کو دور کردیا ہے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ جوازِ تصویر کے قائلین اور حرمتِ تصویر کے قائلین ان دونوں کے علمی وعملی مقام وحیثیت اوران کے تفقہ و دیانت کے معیار میں محاکمہ کیا جائے تو حرمت کے قائلین کے لحاظ سے جواز کے قائلین کا کوئی خاص مقام وحیثیت نہیں معلوم ہوتی ۔ایک جانب حرمت تصویر کے قائلین میں اپنے زمانے کے آسمانِ علم وعمل کے آفتاب ومہتاب فقہاء نظر آئیں گے ،جن کے علم وعمل ، تقوی وطہارت ،تفقہ وبصیرت ، ثقاہت و دیانت اہل اسلام کے نزدیک مسلمات میں سے ہیں،تو دوسری جانب جواز کے قائلین وہ حضرات ہیں، جن میں سے بیشتر کو عام طور پر جانا پہچانا بھی نہیں جاتا اور اگر جانا پہچانا جاتا ہوتو ان کا مقام و درجہ فتوی وفقہ کے بارے میں وہ نہیں جو پہلے طبقے کے لوگوں کو حاصل ہے؛ لہٰذا ان دونوں میں سے کیا ان کا فتوی قابل عمل و لائق توجہ ہونا چاہیے جن کی شان تفقہ وافتاء اور، جن کی ثقاہت وعدالت مسلم ہے یا ان کا جن کو یہ درجہ حاصل ہی نہیں؟ اس پر غور کیا جائے۔

ایک اور بات قابل توجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہوا ہے؛ مگر فتوی کے لیے علماء نے حرمت ہی کے قول کو ترجیح دی ہے ،ہندوستان و پاکستان کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ یہاں کے علماء نے ہمیشہ اس کے عدم جواز ہی کا فتوی دیا ہے ،اور اسی طرح عرب دنیا میں بھی یہی صورت حال ہے ،سعودی عرب کے ایک عالم شیخ ولید بن راشد السعیدان نے ''حکم التصویر الفوتوغرافی'' میں لکھا ہے کہ عکسی تصویر کے بارے میں اختلاف ہے ،بعض نے اس سے منع کیا ہے اور یہ حضرات اکثر ہیں اور اسی قول پر سعودی عرب کے اندر فتوی ہے ۔(حکم التصویر الفوتوغرافی:۱۱)

جب فتوی حرمت پر ہے تو اس سے اعراض کرنا اور اس کے خلاف کو ترجیح دینا چہ معنے دارد؟ یہ بات قابلِ غور ہے؛ کیونکہ بلاوجہ مفتی بہ قول کو چھوڑ کر شاذ قول پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔

الغرض تصویر کے مسئلہ میں جب ایک جانب جمہورِ امت ہے اور اس کے اساطین وائمہ ہیں اور وہ سب کے سب تقریباً اس کی حرمت پر متفق ہیں،اور جمہور کے نزدیک مجوزین کی رائے غلط فہمی کا نتیجہ اور بے دلیل ہے ، اور پھر جمہور نے ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا اور حق کو دلائل کی روشنی میں واضح کر دیا ہے،تو ان کے قول سے گریز کرنا اور ایک چھوٹی سی جماعت کے قول ہی کو ترجیح دینا کس بنیاد پر ہے؟ کیا جمہورِ امت کا موقف اس لائق نہیں کہ اس کو ترجیح دی جائے ؟ بلکہ جمہور علماء عرب وعجم کی بات کو قبول نہ کر کے ایک شاذ قول کا اس قدر احترام کرنا کہ گویا وہی صحیح ہے اور حرمت کا قول گویا باطل وغلط ہے،کیا یہ طرزِ عمل کسی صالح معاشرے و نیک ذہن کی پیداوار ہے

یا کسی بیمار ذہنیت کا نتیجہ؟ امام حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی نے اسی لیے فرمایا کہ: ''لَا يَكُونُ إِمَاماً فِي الْعِلْمِ مَنْ أَخَذَ بِالشَّاذِ مِنَ الْعِلْمِ" (جو شخص علماء کے شاذ قول کو لیتا ہے وہ علم کی دنیا میں امام نہیں ہوسکتا) (جامع بیان العلم: ۲/ ۴۸)

مسئلۂ تصویر میں جمہور علما کی شدت

پھر یہاں ایک اور بات قابلِ لحاظ ہے کہ اگر مسئلۂ تصویر ایک اختلافی مسئلہ ہونے کی وجہ سے اس میں شدت بلکہ اس پر نکیر کوئی غلط بات ہوتی تو جمہور علماء امت نے اس پر کیوں نکیر کی اور پوری شدت سے کی؟ چنانچہ علماء عرب وعجم نے تصویر کو جائز قرار دینے والوں پر جس قدر شدت برتی ہے، اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف کی وہ حیثیت نہیں جو مسائل اختلافیہ کو حاصل ہے ورنہ ان حضراتِ اکابر کا یہ شدت برتنا جائز نہ ہوتا؛ کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ مسائلِ اختلافیہ میں ایک دوسرے پر اعتراض جائز نہیں اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ جواز کے قول کی سختی سے تردید کی گئی ہے۔ جس کے نمونے اس رسالہ میں موجود اکابرین کے فتاوی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

مثلا علامہ شیخ ابن بازؒ نے بعض فتاوی میں لکھا ہے کہ: ''ہم نے جواب میں جو احادیث اور اہلِ علم کا کلام نقل کیا ہے، اس سے حق کے متلاشی پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لوگ جو کتابوں مجلوں، رسالوں اور جریدوں میں جاندار کی تصویر کے سلسلہ میں وسعت برت رہے ہیں، یہ واضح غلطی اور کھلا ہوا گناہ ہے۔'' (فتاوی شیخ ابن باز: ۴/۱۷۹-۱۸۹)

مفتی علامہ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ نے لکھا ہے کہ:

''جس نے یہ خیال کیا کہ شمسی تصویر منع کے حکم میں داخل نہیں اور یہ کہ منع ہونا مجسم صورت اور سایہ دار چیزوں کی تصویر کے ساتھ خاص ہے، تو اس کا خیال باطل ہے۔'' (فتاوی و رسائل شیخ محمد بن ابراہیم: ۱/۱۳۴)

اللجنۃ الدائمۃ کے ایک فتوی میں لکھا ہے کہ:

''انسان وحیوان وغیرہ جاندار چیزوں کی شمسی وعکسی تصویر لینا اور ان کو باقی رکھنا حرام ہے؛ بلکہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔'' (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: ۱/۴۵۹، رقم الفتوی: ۱۹۷۸)

اور علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن فریان ''شمسی تصویر کی حرمت'' پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''وَلَا تَغْتَرِّ أَيُّها الْمُسْلِمُ بِمَنْ تَنَطَّعَ بِمَعْسُولِ الكلامِ وَقَامَ يُحَلِّلُ ويُحَرِّمُ، بِغَيْرِ دَلِيلٍ

وبرهان، بل بمجردِ الرأي والهذَيان، مِنْ بَعْضِ مُتَعلّمَةِ هذه الأزمان، وأجاز الصُّوَرَ الضَوْئِيَّة وجَعَلَ المَنْعَ خَاصًا بِما لَهُ أجسامٌ، سبحان اللّٰه! مِنْ أينَ هذا التفريقُ وَلَم يَجِئ لَا فِي سُنَّةٍ وَلَا قرآن“.

(اے مسلم! تو اس زمانے کے بعض علم کی جانب منسوب لوگوں سے دھوکہ نہ کھانا جو چکنی چپڑی باتیں کرتے اور بلا دلیل و برہان محض اپنی رائے اور بکواس سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے ہیں، اور عکسی تصویر کو جائز قرار دیتے اور منع کو صرف ان تصویروں سے خاص کرتے ہیں جو مجسمہ کی شکل میں ہوں۔ سبحان اللہ! یہ فرق کہاں سے آیا؟ جب کہ نہ تو سنت میں یہ فرق آیا اور نہ قرآن میں آیا؟)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

”فَيُجِبُ عَلَى المُسْلِمِيْنَ إنْكَارُ هَذا المُنْكَرِ وَلَا يَجُوْزُ لَهُمُ السُّكُوتُ وَلَا يُغترّ بِفَشُوِهِ ورَوَاجِهِ فَإنَّ المُنكَرَ هو بحالِهِ منكرٌ كما هو في الشَرْعِ ولا يُحِلّله كثرتُه و رواجُه ولا محبةُ البعض وارتكابُه“. (الدر السنية: ۲۳۴/۱۵)

(لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس منکر پر انکار ونکیر کریں اور اس پر ان کی خاموشی جائز نہیں ہے، اور تصویر کے رواج اور عام ہوجانے سے دھوکہ نہ کھایا جائے؛ کیونکہ منکر تو ہر حال میں منکر ہے، اس کا عام ہوجانا اور رواج پاجانا اس کو حلال نہیں کردیتا اور نہ بعض لوگوں کی اس سے محبت اور اس کا مرتکب ہونا اس کو جائز کرتا ہے)

قابلِ غور یہ ہے کہ اگر تصویر کے مسئلہ میں اختلاف اس درجہ کا ہوتا جو مختلف فیہ مسائل میں ہوتا ہے تو کیا اس قدر شدت کا جواز تھا، جو ان حضرات نے اختیار کیا ہے، اور تصویر کو حرام؛ بلکہ گناہ کبیرہ قرار دیا ہے اور جواز کے قائلین کو کھلی غلطی و واضح گناہ پر ٹھیرایا ہے؟ اور اہل اسلام کو اس پر انکار ونکیر کرنا ضروری قرار دیا ہے اور خاموشی کو ناجائز کہا ہے اور اس کے عام ہوجانے اور رواج پاجانے کو بے اثر ٹھیرایا ہے؟ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس اختلاف کو وہ حضرات کوئی قابلِ لحاظ ہی نہیں مانتے تھے۔

اسی طرح ہندوپاک کے علماء کا بھی رویہ رہا ہے، ایک دو حضرات کے اس سلسلہ میں فتاوی نقل کردینا اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے ایک اسکول کے جلسہ (جس میں تصویر لی جاتی ہے) کے بارے میں سوال پر لکھا ہے کہ:

''یہ معصیت کی مجلس ہے، جس میں شرکت قطعاً جائز نہیں؛ بلکہ دورانِ مجلس اس قسم کی حرکت شروع ہوتب بھی روکنے کی قدرت نہ ہونے والے ہر شخص پر اٹھ جانا واجب ہے''، نیز لکھا کہ تصویرسازی شریعت کی رو سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ: انتہائی قلق کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ تصویر کی لعنت عوام سے تجاوز کرکے خواص؛ بلکہ علماء تک پھیل گئی ہے جس کا افسوسناک نتیجہ سامنے آرہا ہے کہ بہت سے لوگ ان حضرات کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر اس قطعی حرام کو حلال باور کرنے لگے۔ (احسن الفتاوی: ۸/۴۱۷، ۴۱۸، ۴۳۴)

پاکستان میں ایک جگہ ایک مسجد میں رمضان میں ختم قرآن کے موقعہ پر جلسہ ہوا، اس میں ایک وہیں کے مدرس صاحب نے جلسہ کی تصاویر لیں، لوگوں کے منع کرنے پر اس نے بتایا کہ یہ ریل امام صاحب نے بھروائی ہے، اوران ہی کی اجازت سے تصویر لے رہا ہوں، اور ایسا سب جگہ ہوتا ہے، الغرض اس نے ضد میں تصاویر کھینچیں اور خود ان امام صاحب کے مائک پر آنے پر ان کی بھی تصاویر لیں، ااس واقعہ کا ذکر کرکے کسی نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی سے سوال کیا تو اس کے جواب میں حضرت نے لکھا ہے کہ:

> ''تصویریں بنانا خصوصاً مسجد کو اس گندگی کے ساتھ ملوث کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔ اگر یہ حضرات اس سے علانیہ توبہ کا اعلان کریں اور اپنی غلطی کا اقرار کرکے اللہ تعالی سے معافی مانگیں تو ٹھیک ہے، ورنہ ان حافظ صاحب کو امامت سے اور تدریس سے الگ کردیا جائے۔ اور ان کے پیچھے نماز ناجائز اور مکروہِ تحریمی ہے''
> (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷/۶۱)

اسی طرح علماء وبزرگان کی آئے دن اخبارات میں شائع ہونے والی تصاویر کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: تصویر بنانا اور بنوانا گناہ ہے؛ لیکن اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے ایسا کرنا پڑے تو امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔ باقی بزرگان دین نے اول تو تصویریں اپنی خوشی سے بنوائی نہیں، اور اگر کسی نے بنوائی ہوں تو کسی کا عمل حجت نہیں، حجت خدا اور رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔ (آپ کے مسائل: ۷/۶۲)

ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: فلم اور تصویر آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے حرام ہے، اوران کو بنانے والے ملعون ہیں۔ (آپ کے مسائل: ۷/۶۷)

پاکستان کے وزیرخارجہ سردار آصف احمد نے ایک بیان میں کہا تھا کہ: اسلام میں رقص

وموسیقی اور تصویر سازی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس کا رد کرتے ہوئے آپ نے اولاً ان امور کے بارے میں احادیث نقل کیے ہیں پھر لکھا ہے کہ: آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے بعد سردار آصف احمد کا یہ کہنا کہ اسلام میں ان چیزوں پر کوئی پابندی نہیں، قطعاً غلط وخلافِ واقعہ ہے اور ان کے اس فتوی کا منشأ یا تو ناقص مطالعہ ہے یا خاکم بدہن صاحب شریعت ﷺ سے اختلاف ہے۔ پہلی وجہ جہل مرکب اور دوسری وجہ کفرِ خالص۔ (آپ کے مسائل: ۷/۷۶)

علماء کی تصاویر اور ان کا ٹی وی پر آنا عوام کو یا تو بے چین کرتا ہے یا یہ کہ وہ اس سے اس کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، ایک صاحب نے آپ سے جب اس سلسلہ میں علماء کے فعل کا حوالہ دیا تو جواب لکھا کہ:

''یہ اصول ذہن میں رکھیے کہ کہ گناہ ہر حال میں گناہ ہے، خواہ ساری دنیا اس میں ملوث ہو جائے۔ دوسرا اصول یہ بھی ملحوظ رکھیے کہ جب کوئی برائی عام ہو جائے تو اگرچہ اس کی نحوست بھی عام ہوگی؛ مگر آدمی مکلّف اپنے فعل کا ہے۔ پہلے اصول کے مطابق علماء کا ٹی وی پر آنا اس کے جواز کی دلیل نہیں، نہ امامِ حرم کا تراویح پڑھانا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے، اگر طبیب کسی بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو بیماری بیماری ہی رہے گی، اس کو صحت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ (آپ کے مسائل: ۷/۸۱)

ان فتاوی پر غور کیجیے کہ کیا ایک اختلافی مسئلہ پر کسی کو ملعون کہنا، اور اس کام کے ارتکاب پر امامت سے ہٹانے کی تجویز رکھنا بلکہ اس کا فتوی صادر کرنا صحیح ہوسکتا ہے، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اس مسئلہ کی وہ نوعیت نہیں جو اختلافی مسائل کی ہوتی ہے؛ بلکہ ان حضرات علماء کے نزدیک اس مسئلہ میں اختلاف غلط فہمی کا نتیجہ ہے، نہ یہ کہ اس کی بنیاد دلائل ہیں۔

مجوزین کی ایک لچر دلیل کا جواب

یہاں یہ ذکر کردینا بھی مناسب ہے کہ موجودہ دور کے مجوّزینِ تصویر میں سے بعض کو سنا گیا کہ وہ دلیل جواز یہ دیتے ہیں کہ آج کل تصویر کا عام رواج ہو چکا ہے، کوئی محفل ومجلس اس سے خالی نہیں، عوام تو عوام علماء بھی لیتے ہیں، تو کب تک اس کو ناجائز کہتے رہیں گے؟ ابھی قریب میں ہمارے مدرسہ میں ایک مفتی صاحب کا ورود ہوا، میں تو سفر پر تھا، لہٰذا ملاقات نہیں ہوئی، دیگر اساتذہ کے درمیان انھوں نے یہ باتیں کہیں، اور تصویر کو ناجائز کہنے والوں پر طنز وتعریض کی۔

مگر اس دلیل کو مان لیا جائے تو پھر تمام حرام کاموں کو جائز ہو جانا چاہیے؛ کیونکہ آج شراب

بھی عام ہے، موسیقی وگانا بجانا بھی عام ہے، موبائیل فون سے گانے بجانے کی ٹیون ہم نے علماء کو بھی رکھتے دیکھا ہے، اور بے پردگی بھی عام ہے، سود و جوا بھی عام ہے، اور رشوت خوری کا بھی خوب چلن ہے؛ بلکہ غور کرنا چاہیے کہ کونسا گناہ ایسا ہے جو آج کے معاشرے میں رواج نہیں پا رہا ہے، لہٰذا یہ سب کے سب حرام کام اس لیے جائز ہوجانا چاہیے کہ ان کا رواج عام ہوگیا ہے، لہٰذا کب تک اس کو حرام کہتے رہیں؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ، اگر یہ مفتیانہ منطق چل جائے تو اسلام کا خدا ہی حافظ!

یہاں ان مفتی صاحب کی دلیل کے جواب میں صرف یہ بات کافی ہے کہ ہم حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ کے رسالہ ''گناہ بے لذت'' سے ایک عبارت نقل کیے دیتے ہیں، بغور ملاحظہ کیجیے: حضرت لکھتے ہیں کہ:

''آج کل یہ گناہ اس قدر وبار کی طرح تمام دنیا پر چھا گیا ہے کہ اس سے پرہیز کرنے والے کو زندگی کے ہر شعبے میں مشکلات ہیں، ٹوپی سے لے کر جوتے تک کوئی چیز بازار میں تصویر سے خالی ملنا مشکل ہوگیا ہے، گھریلو استعمال کی چیزیں، برتن، چھتری، دیا سلائی، دواؤں کے ڈبے اور بوتلیں اخبارات ورسائل یہاں تک کہ مذہبی اور اصلاحی کتابیں بھی اس گناہِ عظیم سے خالی نہ رہیں، فالی اللہ المشتکی! اور غور کیا جائے تو ان میں سے اکثر حصہ تصاویر کا محض بے کار و بے فائدہ، گناہِ بے لذت ہے، مسلمان کو چاہیے کہ گناہ کے عام ہوجانے سے اس کو ہلکا نہ سمجھے؛ بلکہ زیادہ اہمیت کے ساتھ اس سے بچنے اور دوسرے مسلمانوں کو بچانے کی فکر کریں''۔ (گناہ بے لذت: ۵۲)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ جیسے اپنے زمانے کے مفتیِ بے مثال تو تصویر کے عام ہوجانے کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ: عام ہوجانے سے دھوکہ نہ کھائیں اور اس کو ہلکا نہ سمجھیں؛ بلکہ اس سے مسلمانوں کو بچانے کی فکر کریں اور یہ جدید الخیال وروشن خیال مفتی صاحب یہ کہتے ہیں کہ جب یہ عام ہوگئی تو اب حرام کو حرام نہیں؛ بلکہ حلال کہو۔ فیاللعجب!

❁ ❁ ❁

احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ

از: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے۔ جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گناہ گار فاسق ہے۔

روزہ کی نیت

نیت کہتے ہیں دل کے قصد وارادہ کو، زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے۔

روزہ کے لیے نیت شرط ہے، اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔

مسئلہ: رمضان کے روزے کی نیت رات سے کر لینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک کر سکتا ہے؛ بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

(۱) کان اور ناک میں دوا ڈالنا، (۲) قصداً منہ بھر قے کرنا، (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا، (۴) عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہو جانا، (۵) کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادۃً کھائی نہیں جاتی، جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ، (۶) لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا، بیڑی، سگریٹ، حقہ پینا اسی حکم میں ہیں، (۷) بھول کر کھا پی لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا پھر قصداً کھا پی لیا، (۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی، (۹) دن باقی تھا؛ مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے، روزہ افطار کر لیا۔

تنبیہ: ان سب چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

(۱۰) جان بوجھ کر بدون بھولنے کے بی بی سے صحبت کرنے یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔

کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھے، بیچ میں ناغہ نہ ہو ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرنے پڑیں گے اور اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے۔ آج کل شرعی غلام یا باندی کہیں نہیں ملتے؛ اس لیے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹتا نہیں؛ مگر مکروہ ہوجاتا ہے:

(۱) بلاضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن یا کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہیں۔

(۲) تمام دن حالت جنابت میں بغیر غسل کیے رہنا۔

(۳) فصد کرانا، کسی مریض کے لیے اپنا خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔

(۴) غیبت یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا یہ ہر حال میں حرام ہے، روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔

(۵) روزہ میں لڑنا جھگڑنا، گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز کو یا جاندار کو، ان سے بھی روزہ مکروہ ہوجاتا ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا!

(۱) مسواک کرنا۔ (۲) سر یا مونچھوں پر تیل لگانا۔ (۳) آنکھوں میں دوا، یا سُرمہ ڈالنا۔ (۴) خوشبو سونگھنا۔ (۵) گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔ (۶) کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا۔ (۷) بھول کر کھانا پینا۔ (۸) حلق میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلا جانا۔ (۱۰) خود بخود قے آجانا۔ (۱۱) سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہوجانا۔ (۱۲) دانتوں میں سے خون نکلے؛ مگر حلق میں نہ

جائے تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔ (۱۳) اگر خواب میں یا صحبت سے غسل کی حاجت ہوگئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں روزہ کی نیت کرلی تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے:

(۱) بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو، یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے، بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔

(۲) جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔

(۳) جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے، اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہیں ملتا، تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے۔

(۴) مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے، پھر اگر کچھ تکلیف و دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے اگر خود اپنے آپ کو یا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔

(۵) بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزۃ کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آ گیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے، اور اگر ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آ گیا جب کہ روزہ کی نیت ہوسکتی ہو یعنی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تو اس پر لازم ہے کہ روزہ کی نیت کرلے۔

(۶) کسی کو قتل کی دھمکی دے کر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کرلے۔

(۷) کسی بیماری یا بھوک پیاس کا اتنا غلبہ ہوجائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز؛ بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضا لازم ہوگی۔

(۸) عورت کے لیے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے یعنی نفاس اس کے دوران میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ان ایام میں روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ بیمار، مسافر، حیض ونفاس والی عورت جن کے لیے رمضان میں روزہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں، سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا

(۱) کسی عذر سے روزہ قضا ہوگیا تو جب عُذر جاتا رہے جلد ادا کرلینا چاہیے۔ زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں، قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کرکے رکھے۔

(۲) اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے کہ جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں، اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

سحری

روزہ دار کو آخر رات میں صبحِ صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا مسنون اور باعثِ برکت وثواب ہے۔ نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سنت ادا ہوجائے گی؛ لیکن بالکل آخر شب میں کھانا افضل ہے۔ اگر مؤذّن نے صبح سے پہلے اذان دے دی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں؛ جب تک صبح صادق نہ ہوجائے۔ سحری سے فارغ ہوکر روزہ کی نیت دل میں کرلینا کافی ہے اور زبان سے بھی یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے بِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ.

اِفطاری

آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہوجانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے، ہاں جب اَبر وغیرہ کی وجہ سے اشتباہ ہو تو دو چار منٹ انتظار کرلینا بہتر ہے اور تین منٹ کی احتیاط بہرحال کرنا چاہیے۔

کھجور اور خرما سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں، افطار کے وقت یہ دُعا مسنون ہے اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ.

تراویح

(۱) رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے۔

(۲) تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے۔ محلّہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو اور کوئی شخص

علیحدہ اپنے گھر میں اپنی تراویح پڑھ لے تو سنت ادا ہوگئی، اگرچہ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہا اور اگر محلّہ ہی میں جماعت نہ ہوئی تو سب کے سب ترک سنت کے گنہگار ہوں گے۔

(۳) تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے۔ کسی جگہ حافظِ قرآن سنانے والا نہ ملے یا ملے؛ مگر سنانے پر اجرت ومعاوضہ طلب کرے تو چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح ادا کریں، اُجرت دے کر قرآن نہ سنیں؛ کیوں کہ قرآن سنانے پر اجرت لینا اور دینا حرام ہے۔

(۴) اگر ایک حافظ ایک مسجد میں بیس رکعت پڑھ چکا ہے، اس کو دوسری مسجد میں اسی رات تراویح پڑھنا درست نہیں۔

(۵) جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئی ہو تو جب امام وتر کی جماعت کرائے اس کو بھی جماعت میں شامل ہوجانا چاہیے، اپنی باقی ماندہ تراویح بعد میں پوری کرے۔

(۶) قرآن کو اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں بڑا گناہ ہے، اس صورت میں نہ امام کو ثواب ہوگا، نہ مقتدی کو۔ جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔

اِعتکاف

(۱) اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں رہے اور سوائے ایسی حاجات ضروریہ کے جو مسجد میں پوری نہ ہوسکیں (جیسے پیشاب، پاخانہ کی ضرورت یا غسل واجب اور وضو کی ضرورت) مسجد سے باہر نہ جائے۔

(۲) رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر بڑے شہروں کے محلّہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے اوپر ترکِ سنت کا وبال رہتا ہے اور کوئی ایک بھی محلّہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہوجاتی ہے۔

(۳) بالکل خاموش رہنا اعتکاف میں ضروری نہیں؛ بلکہ مکروہ ہے؛ البتہ نیک کلام کرنا اور لڑائی جھگڑے اور فضول باتوں سے بچنا چاہیے۔

(۴) اعتکاف میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں، نماز، تلاوت یا دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا یا جو عبادت دل چاہے کرتا رہے۔

(۵) جس مسجد میں اعتکاف کیا گیا ہے، اگر اس میں جمعہ نہیں ہوتا، تو نماز جمعہ کے لیے

اندازہ کرکے ایسے وقت مسجد سے نکلے جس میں وہاں پہنچ کر سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ سن سکے۔ اگر کچھ زیادہ دیر جامع مسجد میں لگ جائے، جب بھی اعتکاف میں خلل نہیں آتا۔

(۶) اگر بلاضرورت طبعی شرعی تھوڑی دیر کو بھی مسجد سے باہر چلا جائے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا، خواہ عمداً نکلے یا بھول کر۔ اس صورت میں اعتکاف کی قضا کرنا چاہیے۔

(۷) اگر آخر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو ۲۰ر تاریخ کو غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تب اعتکاف سے باہر ہو۔

(۸) غسلِ جمعہ یا محض ٹھنڈک کے لیے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا مُعتکف کو جائز نہیں۔

شبِ قدر

چونکہ اس امت کی عمریں بہ نسبت پہلی امتوں کے چھوٹی ہیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک رات ایسی مقرر فرمادی ہے کہ جس میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی زیادہ ہے؛ لیکن اس کو پوشیدہ رکھا؛ تاکہ لوگ اس کی تلاش میں کوشش کریں اور ثواب بے حساب پائیں۔ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یعنی ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں، ۲۹ ویں شب۔ اور ۲۷ ویں شب میں سب سے زیادہ احتمال ہے۔ ان راتوں میں بہت محنت سے عبادت اور توبہ واستغفار اور دعا میں مشغول رہنا چاہیے۔ اگر تمام رات جاگنے کی طاقت یا فرصت نہ ہو تو جس قدر ہو سکے جاگے اور نفل نماز یا تلاوتِ قرآن یا ذکر وتسبیح میں مشغول رہے اور کچھ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام کرے، حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں ہو جاتا ہے، ان راتوں کو صرف جلسوں تقریروں میں صرف کرکے سو جانا بڑی محرومی ہے، تقریریں ہر رات ہو سکتی ہیں، عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔

البتہ جو لوگ رات بھر عبادت میں جاگنے کی ہمت کریں، وہ شروع میں کچھ وعظ سن لیں، پھر نوافل اور دعا میں لگ جائیں تو دُرست ہے۔

ترکیب نمازِ عید

اول زبان یا دل سے نیت کرو کہ دو رکعت نمازِ عید واجب مع چھ زائد تکبیروں کے پیچھے اس

امام کے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لو اور سُبْحَانَكَ اللّٰهم پڑھو پھر دوسری اور تیسری تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی میں باندھ لو اور جس طرح ہمیشہ نماز پڑھتے ہو پڑھو۔ دوسری رکعت میں سورت کے بعد جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہہ کر پہلی، دوسری اور تیسری دفعہ میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی تکبیر کہہ کر بلا ہاتھ اُٹھائے رکوع میں چلے جاؤ۔ باقی نماز حسب دستور تمام کرو۔ خطبہ سُن کر واپس جاؤ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ.

مسائل زکوٰۃ

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ.

مسئلہ: اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر روپیہ یا نوٹ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے (شامی) اور سامانِ تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ: کارخانے اور مِل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں؛ لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح جو خام مال کارخانہ میں سامان تیار کرنے کے لیے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے (درمختار وشامی)

مسئلہ: سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے، زیور، برتن؛ حتی کہ سچا گوٹہ، ٹھپہ، اصلی زری، سونے چاندی کے بٹن، ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے، اگرچہ ٹھپہ گوٹہ اور زری کپڑے میں لگے ہوئے ہوں۔

مسئلہ: کسی کے پاس کچھ روپیہ، کچھ سونا یا چاندی اور کچھ مالِ تجارت ہے؛ لیکن علیحدہ علیحدہ بقدر نصاب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوجائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم رہے تو زکوٰۃ فرض نہیں (ہدایہ)

مسئلہ: مِلوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛ بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مالِ مِل کر شیئر ہولڈر مالک نصاب بن جاتا ہو؛ البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں؛ چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ کی لاگ بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت

زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے، اُس کو اپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔ سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگے اس وقت جو شیئرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی۔ (درمختار وشامی)

مسئلہ: پراویڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛ لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا، اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، بشرطیکہ یہ رقم بقدرِ نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جاتی ہو وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ کی رقم پر واجب نہیں، یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

مسئلہ: صاحب نصاب اگر کسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے؛ البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار وشامی)

جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ ($\frac{1}{40}$) دینا فرض ہے یعنی ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا۔ سونے، چاندی اور مال تجارت کی ذات پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا $\frac{1}{40}$ دے اگر قیمت دے تو یہ بھی جائز ہے؛ مگر قیمتِ خرید نہ لگے گی، زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا $\frac{1}{40}$ دینا ہوگا (درمختار، ج:۲)

مسئلہ: ایک ہی فقیر کو اتنا مال دے دینا کہ جتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، مکروہ ہے؛ لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اس سے کم دینا بغیر کراہت کے جائز ہے۔ (ہدایہ ج۱)

مسئلہ: زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحقِ زکوٰۃ کو دی جائے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ: ادائیگی زکوٰۃ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دے دی جائے، جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو، اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

❁ ❁ ❁

کاتبینِ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
ایک تعارف
(۲/۱)

از: مولانا اشتیاق احمد
مدرس دارالعلوم دیوبند

اسلام آخری مذہب ہے، قیامت تک دوسرا کوئی مذہب نازل ہونے والا نہیں ہے، اس دین کی حفاظت وصیانت کا سہرا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سر ہے، صحابہ کی برگزیدہ جماعت نے اسلام کی بقا اور اس کے تحفظ کے لیے جان ومال کو قربان کیا، انھیں کے خونِ جگر سے سینچے ہوئے درخت کا پھل آج ہم سب کھا رہے ہیں، انہوں نے دین کو اس کی صحیح صورت میں محفوظ رکھنے کا جتن کیا، ان کی زندگی کا ہر گوشہ اسلام کی صحت وسلامتی کی کسوٹی ہے، جو لوگ صحابۂ کرامؓ سے جتنا قریب ہیں، وہ دین سے اتنا ہی قریب ہیں، اور جو لوگ جتنا اس جماعت سے دور ہوں گے؛ ان کی باتیں اُن کا نظریہ، اُن کا عقیدہ اور اُن کا عمل اتنا ہی دین سے منحرف ہوگا۔

قرآن وسنت کی حفاظت میں صحابۂ کرامؓ نے جس طرح اپنے حیرت انگیز خداداد حافظے کو کام میں لایا، اسی طرح دوسرے وسائل اختیار کرنے سے بھی انہوں نے دریغ نہیں کیا، انہوں نے آیات واحادیث کی حفاظت لکھ کر بھی کی ہے، بہت سے صحابۂ کرام صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید لکھ کر اپنے پاس محفوظ رکھا تھا، اسی میں تلاوت کیا کرتے تھے، بہت سے صحابۂ کرامؓ نے چند سورتیں یا چند آیتیں لکھ رکھی تھیں، احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ بھی بہت سے صحابۂ کرامؓ کے پاس محفوظ تھا، کثرت سے آیات واحادیث یاد کرنے اور لکھنے کی روایات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے اندر وحی اور دین کی حفاظت کا جذبہ کتنا زیادہ تھا، اُس دور میں جب کہ لکھنے پڑھنے کے وسائل آج کی طرح بہت وافر نہ تھے، پھر بھی انہوں نے بڑی دلچسپی سے کتابت سیکھی اور سکھائی،

بعض صحابۂ کرامؓ کو دربارِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابت سکھانے کا حکم تھا، وہ اپنے فن کا مظاہر کرتے تھے، بعض اہلِ فن کو خدمتِ نبوی میں رہ کر ''وحی الٰہی'' کی کتابت کا شرف بھی حاصل ہوا، ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، اُن میں بھی درجہ بندی تھی، بعض کی غیر موجودگی میں بعض کی نیابت متعین تھی، بعض کو احادیث لکھنے کی خصوصی اجازت بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، احکام زکوٰۃ وصدقات، فرامین ومعاہدات لکھنے کے لیے بھی صحابۂ کرامؓ کی اچھی خاصی تعداد دربارِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود رہتی تھی، حیدرآباد کے مشہور ومعروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دربارِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھے گئے دستاویزات جمع فرمائے ہیں، ہر دستاویز پر لکھنے والے صحابۂ کرامؓ کے نام بہ حیثیت کاتب درج ہیں، اس سے بھی اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے درمیان لکھنے والوں کی ایک کثیر تعداد تھی۔

خلاصہ یہ کہ صحابۂ کرامؓ نے جس طرح اپنے حافظہ کے ذریعہ دین کی حفاظت کی ہے، اسی طرح لکھ کر بھی پورے دین کو مکمل شکل میں انھوں نے محفوظ فرمایا ہے۔

راقم الحروف کوتاہ ہمت اب تک کی جد وجہد اور کاوش سے تاریخ وسیر کی کتابوں سے پچھتّر (۷۵) صحابۂ کرامؓ کے نام دریافت کرسکا ہے، جنھوں نے دربارِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کیا ہے، بعض نے وحی کی کتابت فرمائی، بعض نے احادیث لکھیں، بعض نے دستاویزات لکھے، بعض نے احکام زکوٰۃ اور فرامینِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کی، بعض نے قرآن مجید کی جمع وتدوین میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔

کتاب التراتیب الإداریہ (۱/۱۶ط مراکش) میں ایسے صحابۂ کرامؓ کی تعداد بیالیس ہے، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی کتاب ''کاتبانِ وحی'' میں اڑتالیس صحابۂ کرامؓ کا ذکر ہے، اور المقری محمد طاہر رحیمی ملتانی کی کتاب ''کاتبانِ وحی'' میں چھپن صحابۂ کرامؓ کا ذکر ہے، اسی کتاب سے حضرت قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم نے ''کاتبینِ وحی'' میں مواد فراہم فرمایا ہے، ان سب میں سے تکرار کو حذف کرنے کے بعد ''کاتبین'' صحابۂ کرامؓ کی تعداد پچھتر (۷۵) ہوجاتی ہے، ان میں سے انچاس (۴۹) صحابۂ کرامؓ ایسے ہیں، جن کے بارے میں راقم الحروف کو کاتب ہونے کی صراحت کتابوں میں مل گئی، اور ایک نام عبداللہ بن خطل یا عبدالعزی بن خطل ہے، اس کے بارے میں ارتداد کی روایت ملتی ہے، کاتب ہونے کی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، اسی طرح ایک نامعلوم ''نصرانی انصاری'' کے کاتب ہونے کی روایت ملتی ہے؛ تاہم یہ بھی لکھا ہے کہ

ایمان سے پھر گیا تھا، جب دفن کیا گیا تو قبر نے اوپر پھینک دیا، اور ایک نام ''السجل'' ذکر کیا جاتا ہے، سورہ انبیاء (آیت ۱۰۴) میں مذکور ہے، راجح قول کے مطابق یہ کوئی کاتبِ وحی صحابی نہیں ہیں، اسی طرح مزید تئیس (۲۳) صحابۂ کرامؓ کے بارے میں صریح روایت تلاشنے سے راقم الحروف قاصر رہا؛ اس لیے اخیر میں ان کے ناموں کی ''الف بائی'' فہرست لکھ دی گئی ہے؛ تاکہ ان کے بارے میں صریح روایتوں کی تحقیق کی جاسکے، متعدد اہلِ علم نے کاتبینِ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ان کے اسمائے گرامی درج فرمائے ہیں، جن صحابۂ کرامؓ کے بارے میں تاریخی روایات موجود ہیں اُن کی ترتیب بھی ''الف بائی'' رکھی گئی ہے؛ تاکہ متعین نام تلاش کرنے میں سہولت ہو، ان کی ابتداء صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت ابان بن سعیدؓ سے ہے اور یزید بن معاویہؓ پر یہ ترتیب مکمل ہوتی ہے۔

۱ــ **حضرت ابان بن سعیدؓ**: حضرت ابان بن سعید اُن صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں، جن کو دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بارہا کتابت کا شرف حاصل ہوا، اس کی صراحت حضرت عمر بن شبہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابن عبدالبر، ابن الاثیر، ابن کثیر دمشقی، ابن سید الناس، عراقی، انصاری اور مسعودیؒ وغیرہ نے کی ہے، (حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے: (المصباح المضئی ۱۸/أ، الہدایہ والنہایہ ۳۴۰/۵، الاستیعاب ۵۱/۱، التاریخ الکامل ۳۱۳/۲، عیون الاثر ۳۱۵/۲ العجالۃ السنیہ ۲۴۶، التنبیہ والاِشراف ۳۴۶ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ص ۱۳۵)

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی، اموی رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع سے حضرت عثمان بن عفانؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا تھا، تو ان کو حضرت ابانؓ نے ہی پناہ دی تھی اور اپنے گھوڑے پر سوار کرکے نہایت ہی جرأت و بے باکی سے ارشاد فرمایا تھا:

اَقْبِلْ و أَدْبِرْ وَلَا تَخَفْ أَحَداً. (ترجمہ:) آپ آگے پیچھے جہاں تشریف لے جانا چاہیں، لے جائیں، اور کسی سے خوف زدہ نہ ہوں! (الاستیعاب ۵۷/۱)، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے پہلے تین ماہ کی درمیانی مدت میں ایمان لائے، (تاریخ خلیفہ بن خیاط ۵۰) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی کے بعد ان کو ''بحرین'' کا عامل مقرر فرما دیا تھا (الاستیعاب ۵۷/۱)، پورے عہد نبوی میں اس عہدہ پر فائز رہے اور

صدیق اکبرؓ کے زمانۂ خلافت میں شام کے محاذِ جنگ پر گئے اور جامِ شہادت نوش کیا بعض روایات میں ''جنادین'' ۱۳ھ میں آپ کی شہادت کا ذکر ہے اور بعض مؤرخین نے جنگِ یرموک ۱۵ھ میں آپ کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ (نقوش، رسول نمبر ج ۷ ص ۱۳۵)

۲— **حضرت ابوایوب انصاریؓ:** میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کون واقف نہیں؟ آپ سابقین اولین میں سے ہیں، بیعت عقبۂ ثانیہ میں موجود تھے، بدر وحنین اور خندق سمیت سارے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، آپ کو بھی دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت کا شرف حاصل ہے، عراقیؒ، انصاریؒ اور ابن سید الناسؒ وغیرہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے (حوالہ کے لیے دیکھیے: شرح الفیہ ص ۲۴۶ عیون الاثر ۲/ ۳۱۶، المصباح المضیئ ۲۱ رأ بحوالہ نقوش رسول نمبر ج ۷ ص ۱۳۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب عراق جانے لگے تھے تو اس موقع سے حضرت ابوایوب انصاریؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا تھا، خوارج کی جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی طرف سے حصہ لیا، بالآخر قسطنطنیہ کی جنگ میں شہید ہوئے، وفات سے پہلے سپہ سالار نے آپ سے آخری خواہش پوچھی، تو آپ نے فرمایا کہ: جب میں مرجاؤں، تو میری لاش کو دشمن کی زمین میں آگے لے جا کر دفن کر دینا؛ چناں چہ جب انتقال ہوا، تو یزید بن معاویہ نے ایک دستہ تیار کیا، جس کی نگرانی میں آپ کو قسطنطنیہ کے قریب لے جا کر دفن کیا گیا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت ابن ہشام ۱/ ۴۹۸ الاستیعاب ۱/ ۴۰۴، الاصابہ ۱/ ۴۰۵، اُسد الغابہ ۲/ ۸۱ وغیرہ)

۳— **حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:** خلفیۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابۂ کرامؓ میں سب سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''ثانیٔ اثنین اذ هما في الغار'' (توبہ ۴۰) فرمایا ہے، آپ کی صحابیت قرآنِ پاک سے ثابت ہے؛ اس لیے جو شخص بھی آپ کے صحابی ہونے کا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا، عام الفیل کے ڈھائی سال بعد، ہجرت سے پچاس سال پہلے پیدا ہوئے (الاصابہ ۲/ ۳۳۴، تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۵) آپ کا نام عبداللہ ہے، یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا تھا، پہلے نام ''عتیق'' تھا، کنیت ابوبکر اور لقب ''صدیق'' ہے، آپ کو بھی دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت کا شرف حاصل ہوا ہے، اس کی صراحت، ابن حجر، ابن کثیر، عمرو بن شبہ، ابن سید الناس، مزی، عراقی اور انصاری نے کی ہے (حوالہ کے لیے دیکھیے: فتح الباری ۹/ ۲۷، البدایہ والنہایہ ۳۵۱، تہذیب الکمال ۴/ ب، الروض الأنف ۲/ ۲۳۰، عیون الاثر

۲/۳۱۵، شرح اَلفیہ عراقی ۳۲۵ وغیرہ)

یہ بات تو صحیح ہے کہ آپ نے کم لکھا ہے؛ لیکن یہ کہنا کہ آپ لکھنا جانتے ہی نہ تھے، جیسا کہ بعض عیسائی مؤرخین نے محض بغض وعناد میں لکھ دیا ہے، یہ بات بالکل درست نہیں ہے۔ امام بخاریؒ کی روایت میں کئی مرتبہ حضرت انسؓ کا یہ قول موجود ہے کہ: سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے آپ کو احکامِ زکوٰۃ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمائے، لکھ کر دیے، اس طرح کی روایات کو بلا دلیل کیوں کر حقیقت سے پھیرا جا سکتا ہے؟ خود سُراقہ بن مالکؓ والی روایت بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے لکھنے کی تصدیق کرتی ہے، ابن کثیرؒ نے اس پر بڑی اچھی بحث کی ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۵/۳۵۱، الوثائق السیاسیۃ ص ۳۶، مسند احمد بن حنبلؒ وغیرہ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۳۸)

۴— **حضرت ابوخزیمہ بن اُوس رضی اللہ عنہ:** ان کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ابوخزیمہ بن اُوس بن زید بن اصرم بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار، یہ انصاری خزرجی ہیں، غزوۂ بدر اور دیگر معرکوں میں شریک ہوئے۔

ان کے بارے میں ابن شہاب نے عبید بن السباق سے اور انھوں نے زید بن ثابتؓ سے نقل کیا ہے کہ: میں نے ''سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں'' ابوخزیمہ انصاری کے پاس پائی (اسد الغابہ ۵/۱۸۰ بحوالہ کاتبین وحی ص ۷۰)

۵— **حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ:** آپ کا پورا نام صخر بن حرب تھا، عمر میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال بڑے تھے، فتحِ مکہ کے بعد اسلام لائے، اس سے پہلے اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، فتحِ مکہ کے دن سرکارِ دوعالم ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اسے بھی امان ہے، حنین، طائف اور یرموک وغیرہ میں شریک ہوئے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ''نجران'' کا عامل مقرر فرمایا تھا، زمانۂ جاہلیت سے ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، مشہور مؤرخ واقدی نے آپ کو زمانۂ جاہلیت میں لکھنے والوں میں شمار کیا ہے۔

اسلام لانے کے بعد آپ کو دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی لکھنے کا شرف حاصل ہوا، عراقی، ابن سید الناس، ابن مسکویہ اور انصاری نے اس کی صراحت کی ہے۔ (حوالہ کے لیے دیکھیے: شرح اَلفیہ عراقی ۲۴۶، عیون الأثر ۲/۳۱۶، تجارب الأمم ۱/۲۹۱، المصباح المضئی ۲۵، ۲۸/أ بحوالہ نقوش ۷/۱۳۹) حضرت ابوسفیان کی وفات تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں ہوئی، یہ

حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، بعض نے ۳۰ھ، بعض نے ۳۱ھ اور بعض مؤرخین نے ۳۴ھ میں آپ کی وفات لکھی ہے۔

۶— **حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالأسد رضی اللہ عنہ:** آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن عبدالأسد بن ہلال بن مخزوم ہے، (الاصابہ ۳۳۵/۲) آپ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے (اسدالغابہ ۱۹۵/۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح عموماً آپ بھی کنیت ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ سابقین اولین میں شمار کے جاتے ہیں، ایک روایت کے مطابق آپ گیارہویں مسلمان ہیں۔ آپ کی شادی ام سلمہؓ سے ہوئی آپ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہؓ کو ام المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہوا، ایک روایت کے مطابق قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ وصول کرنے والوں میں آپ پہلے شخص ہوں گے۔ غزوۂ احد میں ایسا کاری زخم لگا کہ وہی موت کا سبب بن گیا۔ (سیرہ ابن ہشام ۲۵۲/۱، الاصابہ ۳۳۵/۲،)

دربارِ رسالت مآب ﷺ میں کتابت کا شرف بھی حاصل ہوا، اس کی صراحت ابن سید الناس، ابن مسکویہ، ابومحمد دمیاطی، عراقی یعمری اور انصاری نے کی ہے، (حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے: عیون الاثر ۳۱۶/۲ تجارب الامم ۲۹۱/۱، المصباح المضئی ۳۴ر ب، العجالۃ السنیہ شرح الفیہ عراقی ص ۳۴۶ بحوالہ نقوش ۱۴۰/۷)

۷— **حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:** حضرت ابی ابن کعبؓ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: اُبی بن کعب بن قیس بن زید بن معاویہ بن عمرو انصاری نجاری، کنیت ابوالمنذر اور ابوالطفل تھی، سارے غزوات میں شریک ہوئے، آپ فقہائے صحابہ میں بھی شمار ہوتے ہیں، اور بلا اختلاف سید القراء ہیں، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ تم کو قرآن سناؤں، حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ فرطِ مسرت سے رونے لگے، (صحیح بخاری تفسیر سورہ لم یکن)

آپ مشہور و معروف کاتبینِ وحی میں سے ہیں، دربارِ رسالت مآب ﷺ میں کتابت کا شرف حاصل کرنے کی صراحت بہت سی کتابوں میں موجود ہے، (حوالے کے لیے دیکھیے: تاریخ طبری ۱۷۹/۶، المصباح المضئی ۸ر ب، تجارب الامم ۲۹۱/۱، تاریخ یعقوبی ۸۰/۲، الورزاء والکُتّاب ۱۲، اسد الغابہ ۵۰/۱ شرح الفیہ عراقی ۲۴۵، تہذیب الکمال ۲۴۰/۵، البدایہ والنہایہ ۲۴۰/۵ بحوالہ نقوش ۱۴۱/۷)

ایک روایت میں ہے کہ: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر (مدینہ منورہ) وحی لکھنے والوں میں آپ سب سے اول ہیں (البدایہ والنہایہ ۲۴۰/۵) عیون الاثر اور تاریخ ابن الاثیر میں بھی آپ کے سب سے پہلے کاتب ہونے کی صراحت موجود ہے (التاراالکامل ۱۳/۲) تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ وحی کی کتابت فرماتے تھے، اوراگر وہ موجود نہ ہوتے، تو حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وحی کی کتابت فرماتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے ''الوثائق السیاسیہ'' میں کئی ایسے مکاتیب ذکر کیے ہیں، جن میں کاتب کا نام ابی بن کعب درج ہے، مثال کے طور پر دیکھیے: وثیقہ نمبر ۶۳، ۶۴، ۷۶، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۶۳، ۱۷۴، ۲۰۶، ۲۴۴ وغیرہ (الوثائق السیاسیہ بحوالہ نقوش ۱۴۲/۷) آپ کی وفات علی اختلاف الاقوال ۱۹ھ یا ۲۰ھ یا ۲۲ھ یا ۳۰ھ میں ہوئی۔ (نقوش ۱۴۲/۷)

۸— **حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ:** انھیں کے گھر میں حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تھا، اس کے بعد ہی کھلم کھلا اسلام کی دعوت دی جانے لگی، یہ گھر کوہِ صفا کے دامن میں تھا، اسے دعوتِ اسلام کا پہلا خفیہ مرکز کہا جا سکتا ہے، حضرت ارقم ساتویں مسلمان تھے اور حضرت عمرؓ چالیسویں مسلمان تھے۔

آپ نے تمام غزوات میں حصہ لیا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدقات جمع کرنے پر مامور فرمایا تھا، اور مدینہ طیبہ میں ایک حویلی بھی عنایت فرمائی تھی (الاصابہ ۲۸۰/۱، اسد الغابہ ۶۰/۱)

متعدد مؤرخین نے آپ کا نام کاتبینِ دربارِ رسالت میں لکھا ہے، مثلاً ابن کثیر، ابن سید الناس، عراقی اور انصاری وغیرہ (حوالے کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۶۰/۱، عیون الاثر ۲/ ۳۱۶، شرح الفیہ ص ۲۴۷، المصباح المضئی ۱۸/ب بحوالہ نقوش ۱۴۲/۷)

علامہ ابن کثیرؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ: حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے حکم سے عظیم بن الحارث المحاربی کو ایک بہت بڑی جاگیر لکھ دی تھی (البدایہ والنہایہ ۳۴۱/۵)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی مشہور و معروف کتاب الوثائق السیاسیہ میں وثیقہ نمبر ۸۴، ۸۸، ۱۷۶، ۲۲۱ پر بحیثیت کاتب حضرت ارقمؓ کے دستخط موجود ہیں۔

آپ کی عمر اسی سال سے زائد ہوئی، بعض نے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے دن آپ کی وفات لکھی ہے اور بعض نے ۵۵ھ بتائی ہے، وصیت کے مطابق آپ کی نمازِ جنازہ حضرت

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی (اسد الغابہ ۱/۲۲۹ بحوالہ نقوش ۷/۱۴۳)

۹— **حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ:** حضرت بریدہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت ایمان قبول کیا، اور غزوۂ احد کے بعد مدینہ تشریف لائے، اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولہ غزوات میں شریک ہوئے (اسد الغابہ ۱/۱۷۵، الاصابہ ۱/۱۴۶) متعدد مؤرخین نے آپ کا نام کاتبینِ دربار رسالت میں شمار کیا ہے، مثلاً: ابن سید الناس، عراقی اور انصاری وغیرہ (حوالے کے لیے دیکھیے: عیون الاثر ۲/ ۳۱۶ العجالۃ السنیہ شرح الفیہ ۲۴۶، المصباح المضئی ۷/ب بحوالہ نقوش ۷/۱۴۳)

حضرت بلال بن سراج بن مجاعہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کو یمن میں ایک جاگیر عطا فرمائی تھی، جس کی تحریر حضرت بریدہؓ نے لکھی تھی، وہ درج ذیل ہیں:

''محمد رسولؐ کی طرف سے مجاعہ بن مرارہ کے لیے جو بنی سلم سے ہے کہ: میں تم کو ایک سرحدی زمین دیتا ہوں جو کوئی تم سے اس معاملہ میں جھگڑا کرے اُسے چاہیے کہ میرے پاس آئے''۔ اس کو بریدہ نے لکھا۔ (المصباح المضئی ۱۸/أ بحوالہ نقوش ۷/۱۴۳)

۱۰— **حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ:** آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے جس طرح حضرتِ حسان بن ثابتؓ کو آپؐ کے شاعر ہونے کا شرف حاصل ہے (اسد الغابہ ۱/۲۲۹) جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کرکے تشریف لائے تو حضرت ثابتؓ نے تقریر کی اور فرمایا کہ ہم دشمنوں سے آپؐ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی جان اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں؛ لیکن اس کے بدلے ہمیں کیا ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت! اس پر پورے مجمع نے خوشی کا اظہار کیا اور بیک زبان ہوکر سب بول پڑے کہ: ہم اس پر خوش ہیں (الاصابہ ۱/۱۹۵)

آپ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں ابن کثیر، ابن سعد، ابن سید الناس، مزّی، عراقی اور انصاری نے اس کی صراحت کی ہے۔ (حوالے کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۵/۳۴۱، طبقات بن سعد ۱/۸۲، عیون الاثر ۱/۳۱۵، تہذیب الکمال ۴/ب العجالۃ السنیہ شرح الفیہ ۲۴۵، المصباح المضئی ۱۱۹أ)

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر حمید اللہ نے ''الوثائق السیاسیہ'' میں وثیقہ نمبر ۱۵۷ میں تحریر کنندہ کا نام قیس بن شماس

الرویانی لکھا ہے؛ لیکن صحابۂ کرامؓ میں اس نام کا کوئی شخص نہیں ہوا، شاید یہ ثابت بن قیس بن شماس ہوگا''۔ (نقوش ۷/۱۴۴)

آپ کی شہادت جنگ یمامہ میں ۱۱ھ کو ہوئی (اسد الغابہ ۱/۲۲۹، ۲۳۰، الاصابہ ۱/۱۹۵، الاستیعاب ۱/۱۹۵ بحوالہ نقوش)

۱۱ــ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ:

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی رقم طراز ہیں: ''بیہقی کی ابن اسحاق والی روایت کے سوا میں نے کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جعفر رضی اللہ عنہ کا نام کسی کو ذکر کرتے نہیں پایا (الاصابہ ۲/ ۲۳۹، ۲۹۹) مزید برآں یہ کہ میرے نزدیک یہ شخصیت بھی غیر واضح ہے؛ کیوں کہ اس نام کے متعدد صحابۂ کرامؓ تھے، شاید یہ جعفر بن ابی طالب ہیں یا جعفر بن ابی سفیان۔

بیہقی میں ہے ﷺ جب کبھی حضرت زیدؓ اور عبداللہؓ بن اُرقم وقت پر موجود نہ ہوتے اور کسی کماندار کو، کسی بادشاہ کو یا کسی دوسرے انسان کو کوئی چیز لکھ کر دینا ہوتی، تو حضرت جعفرؓ سے لکھوا لیتے تھے الخ'' (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۱۲۶ بحوالہ نقوش ۷/۱۴۵)

۱۲ــ حضرت جہم بن سعد رضی اللہ عنہ: ابن حجر کی روایت ہے کہ حضرت جہمؓ کو القفاعی نے کاتبینِ رسول اللہ ﷺ میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ حضرت زبیرؓ اور جہمؓ اموالِ صدقہ لکھا کرتے تھے، اسی طرح مفسر قرطبیؒ نے بھی اپنی تالیف ''مولد النبی ﷺ'' میں کاتبین میں آپ کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ عراقی اور انصاری نے بھی آپ کا شمار کاتبین کے ضمن میں کیا ہے۔ (حوالے کے لیے دیکھیے: الاصابہ ۱/۲۵۵، شرح الفیہ عراقی ۲۴۶، المصباح المضئی ۱۹/ب بحوالہ نقوش ۷/۱۴۵)

۱۳ــ حضرت جُہیم بن الصلت رضی اللہ عنہ:

آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: جُہیم بن الصلت بن مخرمہ بن المطلب بن عبد مناف قرشی رضی اللہ عنہ۔

ابن الاثیر اور بن عبدالبر نے لکھا ہے کہ آپ فتح خیبر کے سال مسلمان ہوئے، اور ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہوئے (الاستیعاب ۱/۲۴۷، اسد الغابہ ۱/۲۵۵) بلاذری نے لکھا ہے کہ جہیم بن الصلت زمانۂ جاہلیت سے لکھنا جانتے تھے، اسلام لانے کے بعد بھی آپ نے لکھا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر بھی لکھا ہے (الاصابہ ۱/۲۵۵) اموالِ صدقہ کی تفصیلات لکھنے کی روایت بھی ملتی ہے (التنبیہ والاشراف ۲۴۵)

حضرت جُہیم کے دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب ہونے کی صراحت ابن شبہ، یعقوبی، ابن مسکویہ، ابن سید الناس، ابن حجر، عراقی، انصاری نے بھی کی ہے (حوالے کے لیے دیکھیے: المصباح المضئی ۸/ب، تاریخ یعقوبی ۲/۸۰، تجارب الامم ۱/۳۹۱، عیون الاثر، اُنساب الاشراف ۱/۵۳۲ بحوالہ نقوش ۷/۱۴۶)

۱۴— حضرت حاطب بن عمر رضی اللہ عنہ:

سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

حضرت حاطب بن عمرو بن عبدالشّمس بن عبد وَدّ قرشی عامری رضی اللہ عنہ ابتدائی دور میں ہی مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا، حبشہ کی طرف ہجرت کی، جنگِ بدر میں شریک ہوئے۔

دربارِ رسالت میں کتابت کا شرف حاصل کیا، ابن مسکویہ، ابن سید الناس عراقی اور انصاری وغیرہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ (حوالے کے لیے دیکھیے: تجارب الامم ۱/۲۹۱، عیون الاثر ۲/۳۱۶، شرح الفیہ عراقی ۲۴۶ بحوالہ نقوش رسول نمبر ۷/۱۴۶)

۱۵— حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے معتمد تھے، یمن کے رہنے والے تھے، حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جب کوئی وفات پاجاتا تو حضرت عمرؓ فرماتے: اگر حذیفہؓ اس کے جنازہ میں شریک ہوں گے، تو ہی عمرؓ شامل ہوگا، اگر وہ شامل نہ ہوں گے، تو میں بھی نہ ہوں گا (الاصابہ ۱/۳۳۱، ۳۳۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے کہا: کوئی تمنا کرو! انہوں نے تمنا کی کہ اے کاش! ان کے وہ گھر جن میں وہ رہتے ہیں جواہرات اور دینار و درہم سے بھرا ہوا اور وہ ان سب کو اللہ کی راہ میں خرچ کردیں! لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: میری تمنا ہے کہ: میرے پاس ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن الیمانؓ جیسے لوگ ہوں، جن کو میں اللہ کی اطاعت کے لیے عامل مقرر کروں۔ (اسد الغابہ ۱/۳۹۲، ۴۹۲)

آپ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں، اس کی صراحت قرطبی، ثعلبی، عراقی اور انصاری نے کی ہے، ان سب نے لکھا ہے کہ: ''حضرت حذیفہؓ کھجور کی چھال پر لکھا کرتے تھے، اور مسعودی نے لکھا ہے کہ: حضرت حذیفہؓ حجاز کی متوقع آمدنی کے گوشوارے مرتب فرمایا کرتے تھے۔ (حوالے کے لیے دیکھیے: المصباح المضئی ۲۱/أ، العجالۂ السنیہ شرح الفیہ ۲۴۶، التنبیہ والاِشراف ۲۴۵، بحوالہ نقوش ۷/۱۴۸)

آپؓ کی وفات حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد ۳۶ھ میں ہوئی۔ (الاستیعاب ۱/۲۴۸)

۱۶— **حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ:** الوزراء والکُتّاب میں ہے کہ: حضرت حصین بن نمیرؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ لوگوں کے معاملات لکھا کرتے تھے (الوزراء والکُتّاب ۱۲) اور انصاری نے لکھا ہے کہ آپ دونوں حضرات قرض اور معاملات تحریر فرماتے تھے، ابنِ مسکویہ نے بھی آپ کو کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں شخصیات عوام الناس کے معاملات بھی لکھا کرتے تھے اور حضرت خالدؓ اور حضرت معاویہؓ کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت میں کتابت فرماتے تھے (تجارب الامم ۱/۲۹۰) آپ کے کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونے کی صراحت عراقیؒ اور یعقوبیؒ نے بھی کی ہے، (حوالہ کے لیے دیکھیے: شرح الفیہ عراقی ۲۴۷، تاریخ یعقوبی ۲/۸۰ بحوالہ نقوش ۷/۱۴۸)

۱۷— **حضرت حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ:**

حضرت حنظلہ بن الربیع بن صفی بن ریاح تمیمی رضی اللہ عنہ بڑے مشہور ومعروف جلیل القدر صحابی ہیں، ایک موقع سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم لوگ ان کی اوران جیسوں کی اقتداء کیا کرو! (اسد الغابہ ۲/۵۸)

آپ مشہور کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں، اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے، الوزراء والکتاب نامی کتاب میں ہے کہ آپ تمام کاتبین کے نائب تھے، اور ہر ایک کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں لکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ ''الکاتب'' سے جانے جاتے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کیا ہے (التاریخ الکبیر ۲/۳۶)۔ اور امام مسلم نے بھی ایسا ہی لکھا ہے (الطبقات لمسلم بن حجاج ۲۸۰/ب) اور طبقات ابن سعد میں بھی اس کی صراحت موجود ہے (طبقات بن سعد ۶/۳۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مہر حضرت حنظلہؓ کے پاس رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: ہر تیسرے دن مجھے تمام لکھایا ہوا یاد دلا دیا کرو! چنانچہ حضرت حنظلہؓ ہر تیسرے دن سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اموال اور طعام وغیرہ جو آپ کی تحریری تحویل میں ہوتا یاد دلا دیا کرتے تھے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال کو سونے سے پہلے تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ (الوزراء والکتاب ۱۳/۱۳)

آپ کے کاتبِ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی صراحت ابن حجر، ابن کثیر، ابن سید الناس، ابن الاثیر، ابن شبہ، یعقوبی، مزی، عراقی، انصاری اور مسعودی وغیرہ نے کی ہے

(حوالہ کے لیے دیکھیے: الاصابہ ۱/ ۳۵۹، ۳۶۰، البدایہ والنہایہ ۵/ ۲۴۲، عیون الاثیر ۲/ ۳۱۵، اسد الغابہ ۲/ ۵۸، المصباح المضئی ۸/ ب، تاریخ یعقوبی ۲/ ۸۰، تہذیب الکمال ۴/ ب، شرح الفیہ عراقی ۲۴۵، المصباح المضئی ۲۰/ أ، التنبیہ والإشراف ۲۸۲ بحوالہ نقوش ۷/ ۱۵۰)

آپ نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ (الاصابہ ۱/ ۳۶۰)

۱۸— حضرت حویطب بن عبدالعزّیٰ رضی اللہ عنہ:

آپ نے فتحِ مکہ کے سال آٹھ سال کی عمر میں ایمان قبول فرمایا، آپ کے کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونے کی صراحت ابن مسکویہ، ابن سید الناس، عراقی اور انصاریؒ نے کی ہے، (حوالہ کے لیے دیکھیے: الاستیعاب ۱/ ۸۴، تجارب الامم ۱/ ۲۹۱، عیون الاثر ۲/ ۳۱۶، شرح الفیہ عراقی ۲۴۶، المصباح المضئی ۲۰/ ب بحوالہ نقوش ۷/ ۱۵۰)

۱۹— حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ:

سابقین اولین میں سے ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد ہی اسلام قبول فرمایا تھا، بعض روایات کے مطابق تیسرے چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مذحج اور صفاء الیمین کے صدقات کا عامل مقرر فرمایا تھا، رحلتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک آپ اس عہدہ پر فائز تھے۔ (الاستیعاب ۱/ ۳۹۹، ۴۰۰)

حضرت خالد بن سعیدؓ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تمام امور کی کتابت فرماتے تھے (التنبیہ والإشراف ۲۴۵) اور ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے ''الوثائق السیاسیہ'' میں درج ذیل وثائق میں کاتب کی حیثیت سے آپ کا اسم گرامی رقم فرمایا ہے: (وثیقہ: ۱۹، ۲۰، ۱۱۴، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۱۴، اور ۲۲۳)

سب سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی کتابت حضرت خالد بن سعیدؓ نے کی تھی (الاصابہ ۱/ ۴۰۶) مکہ مکرمہ میں وحی کی کتابت سے بہرہ ور ہوئے، اور جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں خطوط نویسی کا شرف حاصل ہوا، طبری کی صراحت کے مطابق حضرت خالد بن سعیدؓ کو خدمتِ نبوی میں بیٹھ کر ضروریات ومعاملات لکھنے کا شرف بھی حاصل ہے، بہت سے مؤرخین نے آپ کا ذکر کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا ہے، ان میں سرفہرست: ابن اسحاق، ابن سعد، ابن شبہ، طبری، جہشیاری، ابن الاثیر، ابن کثیر، مزی، عراقی، ابن سید الناس، ابن مسکویہ اور انصاری وغیرہ ہیں۔ (حوالہ کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۵،

طبقات ابن سعد ۴/ ۶۹، المصباح المضئی ۲۱/ ب، تاریخ طبری ۶/ ۱۷۹، الوزراء والکتاب ۱۲، التاریخ الکامل ۲/ ۳۱۳، تہذیب الکمال ۴/ ب، شرح الفیہ عراقی ۲۴۵، عیون الاثر ۲/ ۳۱۵، تجارب الامم ۱/ ۲۹۱ وغیرہ بحوالہ نقوش ۷/ ۱۵۲)

ایک قول کے مطابق حضرت خالد بن سعیدؓ کی شہادت ۱۴ھ میں ہوئی۔ (الاصابہ ۱/ ۴۰۷)

۲۰— حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ:

ہر مسلمان حضرت خالید بن ولیدؓ سے واقف ہے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سیف اللہ'' کا لقب دیا تھا، آپ کی کنیت ابوسلیمان تھی، ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث کے بھانجے تھے، ہجرت سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے، زمانۂ جاہلیت میں بھی جنگی مہارت و سیادت کے امتیازات آپ کے پاس رہتے تھے، آپ اکثر جنگلوں میں قائد ہوا کرتے تھے۔

جب آپ نے اسلام قبول کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اسلامی لشکروں کی قیادت مرحمت فرمائی، فتحِ مکہ میں بھی شریک رہے، اور عُزّی کا بت آپ نے ہی گرایا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲۶۴، الاستیعاب ۱/ ۴۰۷)

آپ کاتبینِ رسول اللہ ﷺ میں سے تھے، عمر بن شبہ، ابن کثیر، ابن سید الناس، عراقی اور انصاری وغیرہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ (حوالے کے لیے دیکھیے: المصباح المضئی ۸/ ب، البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۴۴، عیون الاثر ۲/ ۳۱۵، شرح الفیہ عراقی ۲۴۶ بحوالہ نقوش ۷/ ۱۵۴)

علامہ ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں حضرت خالد بن ولید کا رقم کردہ ایک خط نقل کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمام مومنین کی طرف کہ: یہاں کوئی شکار نہ کرے، اور شکار کو نہ پکڑے، اور نہ ہی قتل کرے، اگر کوئی ایسا کرتا ہوا پایا گیا، تو اسے کوڑے مارے جائیں گے، اور اس کے کپڑے اتار دیے جائیں گے، اور اگر کوئی ان حدود کو توڑے گا تو وہ ماخوذ ہوگا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کر دیا جائے گا'' اور یہ تحریر محمد رسول اللہؐ کی طرف سے ہے، اور اِسے خالد نے رسول اللہؐ کے حکم سے لکھا ہے''۔ اور کوئی انھیں پامال نہ کرے ورنہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہوگا جیسا کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۴۴)

(جاری)

فقید المثال امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سیمینار

از: مولانا محمد کلیم اللہ
مرکزی سیکرٹری اطلاعات
اتحاد اہل السنّت والجماعت، پاکستان

علماء حق، علماء دیوبند کی جان نشین اہل السنّت والجماعت کی نمائندہ مسلکی تنظیم ''اتحاد اہل السنّت والجماعت'' کے زیر انتظام ''امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ سیمینار'' میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسلام آباد کے خوشگوار ماحول میں میلوڈی مارکیٹ کے ایک عمدہ اور خوبصورت اسلام آباد ہوٹل میں سیمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ یہ اتحاد اہل السنّت والجماعت کی طرف سے دوسرا سالانہ سیمینار تھا، جس میں چیدہ چیدہ شخصیات کو مدعو کیا گیا تھا، ان میں بطور خاص چند نام قابل ذکر ہیں:

❁ فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحفیظ مکی، مکہ مکرمہ ❁ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا زاہد الراشدی، گوجرانوالہ ❁ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن، سرگودھا ❁ مولانا سید عدنان کاکا خیل، کراچی ❁ پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی، اسلام آباد ❁ مولانا منیر احمد منور، کہروڑ پکا ❁ ڈاکٹر علی اصغر چشتی، اسلام آباد ❁ مولانا شفیق الرحمٰن، راولپنڈی ❁ مولانا ابن الحسن عباسی، کراچی ❁ مولانا محمد زاہد فیصل آباد ❁ مفتی شبیر احمد، سرگودھا۔ ❁ مولانا عبدالشکور حقانی، لاہور ❁ مولانا رضوان عزیز، سرگودھا۔ ❁ مولانا سجاد ابن الحجابی، مردان اور مولانا تنویر احمد علوی وغیرہ۔

سیمینار کی باقاعدہ کارروائی تلاوت کلام مجید سے شروع ہوئی بعد ازاں علی الترتیب اہل علم وفضل اور مقالہ نویس حضرات کے پرمغز مدلل بیانات شروع ہوئے۔ سیمینار کے انعقاد سے تقریبا دو ماہ قبل مندوبین حضرات کو ان کے مقالے اور بیان کا عنوان دے دیا گیا تھا۔

دور حاضر کے چیلنجز اور فقہ حنفی سب کا مشترکہ عنوان تھا۔ ذیلی عنوانات میں جہاں فقہ اور فقہاء کی عظمت، اہمیت اور ضرورت بیان کی گئی، وہاں پر خصوصا سرتاج الفقہاء امام اعظم ابوحنیفہ کی

بارگاہ عالیہ میں بھی خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

آپ کی منقبت اور خصائل جواصحاب فضل وکمال حضرات متقدمین ومتاخرین نے بیان کیے ہیں اسے بھی دہرایا گیا؛ تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ امام اعظم کی شخصیت کا ہر پہلو اتنا نمایاں ہے کہ جس کی مثال دور تابعین میں کہیں نہیں ملتی۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی سیاسی زندگی پر گفتگو کرتے ہوئے امام اہل السنّت مولانا محمد سرفراز خان صفدر فاضل دارالعلوم دیوبند کے فرزند جامعہ نصرۃ العلوم کے شیخ التفسیر والحدیث مولانا زاہد الراشدی نے کہا: ''امام اعظم کی زندگی کا ہر پہلو تابناک اور روشن ہے۔امام صاحب کی سیاسی زندگی پر مولانا مناظر احسن گیلانی نے جو قلم اٹھایا ہے، اسے پڑھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ امام اعظم محض تدریسِ حدیث وفقہ پر ہی دسترس نہ رکھتے تھے؛ بلکہ آپ کی سیاسی بصیرت سے بادشاہانِ وقت بھی متاثر تھے اور آپ کو چیف جسٹس کا عہدہ سونپنے پر بضد بھی رہے؛ لیکن امام اعظم رحمہ اللہ نے تدوینِ فقہ کی ضرورت کو ترجیح دی اور اپنے ایسے تلامذہ تیار کیے، جنھوں نے انصاف وعدل کی عطر بیزیوں سے عالمِ اسلام کو معطر کردیا...''

آج بھی فقہِ حنفی کو بطور قانون نافذ کردیا جائے تو معاشرے میں کرپشن اور ناانصافی کا بھوت خود ہی مرجائے۔ متکلمِ اسلام وکیلِ احناف مولانا محمد الیاس گھمن نے کہا: ''میں بے حد ممنون اور مشکور ہوں ان تمام حضرت کا جنھوں نے ہمیں میزبانی کا شرف بخشا۔ مجھے جس عنوان پر گفتگو کے لیے کہا گیا تھا، وہ امام اعظم پر وارد ہونے والے اعتراضات کا ٹھوس حوالہ جات سے جواب دینا ہے۔

اللہ کا فضل ہے کہ ہم نے جس امام کو اپنا بڑا اور ''امامِ اعظم'' مانا ہے۔اس میں ہم اکیلے نہیں بلکہ اَن گنت فقہاء اور محدثینِ کرام ہمارے ساتھ ہیں۔ائمہ اربعہ میں امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ بن حنبل وغیرہ شامل ہیں، جنھوں نے امام صاحبؒ کی عظمت شان کا اعتراف کیا ہے، محدثین کرام میں امام یحییٰ بن معین، امام مکی بن ابراہیم اور دیگر جلیل القدر محدثین شامل ہیں تبعِ تابعین میں امام عبداللہ بن مبارک جیسے سربرآوردہ شخصیات ہمارے ساتھ کھڑے ہیں.... انھوں نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا: ہم امام اعظم کو اپنا پیشوا اور رہنما مانتے ہیں اور اگر کوئی ان کی ذاتِ عالیہ پر تنقیص وتوہین کے نشتر چلائے تو دلائل کی قوت سے ہم ان کے انسداد اور روک تھام کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس وقت عجیب کیفیت تھی اور سامعین ہمہ تن گوش ہوئے، مولانا کی گفتگو سماعت کررہے تھے۔ مولانا محمد الیاس گھمن نے فرمایا: ہم امام اعظم ابوحنیفہ کو فقہاء اور تابعین کی صف میں ''امام اعظم'' کہتے ہیں۔ یارلوگوں نے منفی پروپیگنڈا شروع کررکھا ہے کہ ''امامِ اعظم'' تو حضرت محمد ﷺ ہیں، یقیناً امام اعظم انبیاء کی صف میں محمد ﷺ ہی ہیں؛ لیکن جیسے صحابہؓ میں حضرت ابوبکر؛ صدیق اکبر ہیں حضرت عمر؛ فاروق اعظم ہیں ایسے ہی فقہاء اربعہ میں امام ابوحنیفہ؛ امام اعظم ہیں۔ حاشا وکلا اہل السنّت والجماعت کا کوئی شخص امام ابوحنیفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برتر تو کیا برابر بھی نہیں سمجھتا... انھوں نے اپنے وقت مقررہ میں گفتگو کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ جیسے ''ابوبکر'' یہ صدیق اکبر کا نام اور کنیت نہیں بلکہ وصف ہے۔ ایسے ہی ''ابوحنیفہ'' نام اور کنیت نہیں؛ بلکہ ان کا وصف ہے۔ ابوبکر اسے کہتے ہیں جو ہر نیک کام میں پہل کرے ایسے ہی ابوحنیفہ ملت حنیف دین حنیف والے کو کہتے ہیں۔

بات آئی تو کہتا چلوں کچھ لوگوں نے غلط باتیں مشہور کررکھی ہیں اور کہتے ہیں کہ ''حنیفہ'' امام اعظم کی بیٹی کا نام تھا؛ حالانکہ اہلِ تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحب کی کوئی بیٹی نہیں تھی؛ بلکہ ایک ہی صاحبزادے حضرت ''حماد'' تھے۔

آخر میں انھوں نے کہا کہ ہم غیر سیاسی اور غیر عسکری طور پر ملک بھر میں اور بیرون ممالک میں اپنے مشن کی تکمیل میں سرگرم ہیں، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں ہمارا ادارہ احناف میڈیا سروس بہت فعال ہے....''

سیمینار میں مندوبین حضرات کے علمی اصلاحی اور فکری بیانات نے سامعین کے قلب واذہان سے شکوک اور شبہات کو بالکل ختم کردیا۔ مولانا سید عدنان کاکاخیل نے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا: ''ہم اتحاد اہل السنّت والجماعت کے راہنماؤں کو مولانا منیر احمد منور اور مولانا محمد الیاس گھمن کو اپنے ادارے جامعۃ الرشید کی طرف سے اپنے مہتمم مفتی عبدالرحیم، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد اور استاد محترم مفتی ابولبابہ کی جانب سے نیک تمناؤں بھرپور تعاون کی یقین دہانی کے ساتھ میں جامعۃ الرشید سے منسلک ابلاغی، اخباری اور رفاہی شعبہ جات کی طرف سے نمائندگی کررہا ہوں ....ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو دعوت ہے یہ علم کی روایت کی پاسداری ہے جو جہالت کے مقابلے میں اٹھی ہے ....کیا اس کو جہالت کی روایت نہیں سمجھا جائے گا کہ ایک آدمی کھڑا ہوجائے اور کہے کہ حیاتیات، کیمیا، بائیو، فزکس، کمسٹری کے مسلمہ اصول (جن کی بنیاد پر کام بہت آگے

جا چکا ہے، دنیا اس کے نتائج دیکھ رہی ہے) میں اس کو نہیں مانتا؛ بلکہ میں خود تحقیق کروں گا اسے انگریزی محاورے میں کہا جاتا ہے کہ میں پہیہ دوبارہ ایجاد کر رہا ہوں۔ ایسے ہی علوم دینیہ کے اندر ایک روایت آئی امت کے ذہین ترین افراد نے جن کو ایک یا دو واسطوں سے رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر تک رسائی حاصل ہے ان کی تحقیقات تشریحات اور تعبیرات کا انکار کر کے تیرہویں یا چودھویں صدی کا ایک جاہل کھڑا ہو جائے اور کہے کہ میں خود ان تمام مسائل کی از سرِ نو تحقیق کروں گا تو اس جہالت کے مقابلے میں علم کے چراغ روشن کرنا اور اس طرح کے محافل کا انعقاد کرنا بہت ضروری ہے۔

اور آج ہم جو ''امام اعظم'' کے نام سے یہاں اکھٹے ہوئے ہیں، یہ بھی ایک اور روایت کا تسلسل ہے اور وہ رجال، سیر، تاریخ جرح وتعدیل کی کتابوں میں امام اعظم ابوحنیفہ کی منقبت اور فضائل پر مشتمل اصحاب علم وفضل کی آراء میں ان کو عام کیا جائے اور اس طرح کے پروگرامز کا انعقاد کیا جائے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: اَلنَّاسُ عِيَالٌ فِيْ الْفِقْهِ عَلى أَبِي حَنِيْفَةَ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے دسترخواں کے خوشہ چیں ہیں۔ محمد بن اسحاق ابن ندیم نے اپنی الفہرست میں لکھا ہے: **العلمُ بَرًّا و بحرًا و شرقاً وغرباً بُعدًا و قُرباً تَدْوِينُهُ رضی الله عنه** علم بر وبحر میں، مشرق ومغرب میں، قریب اور بعید میں سے اس کو ''امام اعظم'' نے مدون کیا۔ امام ابن مبارک کا قول ہے اَفْقَهُ الناسِ اَبُو حنيفةَ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ ابوحنیفہ ہیں۔

انھوں نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ امام صاحب نے مذہب کی بنیاد اس دور میں ڈالی جب مجتہدین کے اجتہادات کی گرم بازاری تھی۔ اتنے سارے اقوال کو ایک منضبط قواعد میں لے کر آنا بہت کمال کی بات ہے، اجتماعی شورائی کمیٹی کے لیے 40 رکنی فقہاء کی کمیٹی تشکیل دی۔

حنفیت کو اسلام کے چودہ سو سالہ سیاسی نظام سے جو تعلق ہے، وہ بہت مضبوط تعلق ہے؛ کیونکہ سیاسی نظام ہی سے معاشی نظام، اقتصادی، معاشرتی نظام اور تعلیمی نظام پھوٹتے ہیں، کئی صدیوں تک حنفی فقہاء کی عدالتیں تھیں، جہاں سے اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے کیے جاتے رہے اور آج جدید مالیاتی نظام کی جتنی کمیٹیاں دنیا میں بنی ہیں، ان میں حنفی راہنما کو ترجیح دی جارہی ہے۔ 80 فیصد آراء حنفی عالم کی رائے کے ساتھ متفق ہوتی ہیں۔ اصولِ اجتہادات میں بھی حنفی فقہاء

کی آراء کو زیادہ تسلیم کیا جاتا ہے، ایک اور خوبی فقہِ حنفی کی یہ بھی ہے کہ امام صاحب اور آپ کے تلامذہ نے ان مسائل کو بھی ذکر کیا ہے، جو اس وقت پیش نہیں آئے تھے، تاکہ آج کے نام نہاد مجتہدین کو اجتہاد کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

مولانا ابن الحسن عباسی مدیر ماہنامہ ''وفاق المدارس'' پاکستان کی گفتگو کا عنوان تھا ''علم حدیث میں حنفی علماء کا کردار'' مولانا نے اس کو بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا اور دوسری تیسری صدی ہجری سے لے کر آج تک کی حدیث میں علماء احناف کی تصنیفی خدمات کا مختصر تذکرہ کیا۔

دیگر علماء میں مولانا شفیق الرحمٰن، نائب امیر اتحاد اہل السنّت والجماعت پنجاب نے اتحاد اہل السنّت والجماعت کے تمام مندوبین اور مدعوین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور اس عزم کا اظہار کیا کہ ہم اس طرح کے پرامن پروگرام کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور ان شاء اللہ ہم ان کا انعقاد کرتے رہیں گے۔ سیمینار میں مولانا عبدالحفیظ مکی، مولانا محمد زاہد فیصل آبادی اور دیگر علماء نے اپنے اپنے عنوان کے مطابق بیانات فرمائے، احناف میڈیا سروس کے ڈائریکٹر مولانا عابد جمشید نے اپنی ٹیم کے ہمراہ تمام پروگرام کو انٹرنیٹ کے حوالے سے ہینڈل کیا اور بیرون ممالک کے سینکڑوں افراد نے اس پروگرام کو براہ راست دیکھا۔ آخر میں تمام قارئین کو کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس طرح کے پروگرامز میں شریک ہونا چاہیے، اللہ ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلائے۔

❁ ❁ ❁

رواجِ بے حجابی خوشنما کانٹوں کی مالا ہے

از: مولوی محمد نایاب حسن
شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

یوں تو عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں پر مختلف النوع تابڑتوڑ حملے ہورہے ہیں؛ چنانچہ کبھی انھیں بنیاد پرست ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے، کبھی قدامت پرستی کی پھبتیاں کسی جاتی ہیں، کبھی دہشت گردی کی تہمت سے نوازا جاتا ہے، کبھی قرآنِ مقدس کی آیاتِ قتال کے اخراج کی بات کی جاتی ہے، کبھی اسلامی تعلیم گاہوں کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے اور نہ جانے کتنے اعتراضات واشکالات ہیں، جو مسلمانوں پر؛ بلکہ دراصل اسلام پر کیے جاتے ہیں۔

اسلام کے خلاف شدومد کے ساتھ کیے جانے والے ان اعتراضات میں سے اک اہم، تعجب خیز؛ بلکہ ہر دلِ مسلم کے لیے دھماکہ خیز اعتراض وہ ہے جو حاقدین اسلام، اس کی حقانیت ظاہرہ اور اس کی روشن تعلیمات سے کورچشمی برتنے والے اہل مغرب اور ان کے پروردوں کی جانب سے ایک طویل عرصے سے پیہم اچھالا جاتا ہے، وہ اعتراض اسلام کے مبنی بر مصالح حکمِ حجاب پر ہے، یہ حکم اپنے تمام تر وضوح، ثمرآور اور دوررس ومثبت نتائج رکھنے کے باوجود عقل کے دشمنوں کے گلے ہی نہیں اترتا؛ چنانچہ مغرب سے اس کے خلاف بڑی پرزور وپرشور آوازیں اٹھتی رہتی ہیں، جن کی دھمک بلادِ عربیہ اور ایشیا تک میں نہ صرف محسوس کی جاتی ہے؛ بلکہ چند ایک متنور اور روشن خیال قسم کے لوگ ان کی سُر میں سُر ملانے کے لیے آگے بڑھتے نظر آتے ہیں؛ بقصد اختصار ہم صرف گذشتہ دو سالوں کا عالمی منظرنامہ پیش کرتے ہیں، جس سے اس مسئلے کی زبردست حساسیت واہمیت واشگاف ہوتی ہے۔

فروری ۲۰۰۹ء کو فرانس کی ایک بڑی یونیورسٹی کی پچیس سالہ طالبہ ''صابرین تروجات'' کو اس کے پیش کردہ تحقیقی مقالے کے انعام کے طور پر دیے جانے والے اسکالرشپ کو اس وجہ سے

روک لیا گیا کہ وہ طالبہ برقع میں تھی، اسی سال جون کے مہینے میں اسلامی ملک بلجیم کی صوبائی اسمبلی کی ممبر ''ماہ نور'' کے باحجاب پارلیمنٹ جانے کی وجہ سے دائیں بازو کے ایک ممبر نے کورٹ میں اس کے خلاف جمہوریت کی پامالی کا مقدمہ دائر کردیا، اسی سال کی پہلی جولائی کو جرمنی کے شہر ''ڈریسڈن'' کے ایک کورٹ (یعنی عدل گاہ اور انصاف کے مسکن) میں بیس سالہ خاتون ''مروہ شربینی'' پر چاقو سے بہیمانہ حملہ کیا گیا جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوا اور جولائی ہی کی سات کو جب کہ ''مروہ شربینی'' کا خونِ ناحق ابھی تازہ ہی تھا کہ ایک فرنچ مسلم خاتون کو اس کے ٹیلرنگ ورکشاپ سے نکال دیا گیا، سبب اس کا بھی حجاب ہی تھا۔

اسی طرح ۲۰۱۰ء میں بھی فرانس کے صدر ''سرکوزی'' کے زہرناک بیانات کا تسلسل رہا؛ بلکہ حجاب پر پابندی کو سرکاری قانون بنانے کی بھی کوشش کی گئی، بعض اسلامی ملکوں سے بھی مسئلہ حجاب کے حوالے سے غیر ذمہ دارانہ رویہ کا اظہار کیا گیا، ایشیا کے ایک بڑے جمہوری ملک ہندوستان میں بھی شاہانِ مغرب کی ہاں میں ہاں ملانے کا افسوس ناک منظر دیکھنے کو ملا؛ چنانچہ ایک نام نہاد مسلم خاتون، میدان سیاست کی سرگرم کارکن اور سابق فلمی ایکٹرس کی طرف اسلامی پردے کو غیر ضروری اور بے فائدہ بتلایا گیا، کاغذی شیر، پیرنابالغ اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے کے کسی بھی موقع کی ٹوہ میں لگے رہنے والے شیوسینک لیڈر ''بالا صاحب ٹھاکرے'' نے بھی برقع پر پابندی کا مطالبہ کیا؛ اس لیے کہ ہندوستان کی صنعتی راجدھانی ''ممبئی'' کے اثر دحامی علاقے ''اندھیری'' سے کسی نقاب پوش نے ایک بچے کا اغوا کرلیا تھا اور چلتے چلتے سال کے اخیر میں یہ خبر بھی سننے کو ملی کہ اس سال عالمی نقشے پر اپنی جرأت و بیباکی کی چھاپ چھوڑنے اور اسرائیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی وجہ سے عالمی میڈیا کی سرخیوں میں رہنے والے اسلامی ملک ''ترکی'' کی استنبول یونیورسٹی کے کلیۃ الطب کی ایک طالبہ کو اس کے استاذ نے نقاب پوش ہونے کی وجہ سے لیکچر روم سے نکال دیا اور اس طالبہ کے مجلس تعلیمی سے شکایت کرنے کے بعد یونیورسٹی کو طالبہ کے (خواہ نقاب پوش ہو) محاضرے میں شرکت کی مطلق اجازت کا قانون نافذ کرنا پڑا، اس استاذ اور اس کے ہم نواؤں کا کہنا تھا کہ نقاب لگا کر کلاس میں آنا، جمہوری آئین کی خلاف ورزی ہے اور ترکی آئین اس کی اجازت نہیں دیتا؛ جبکہ مجلس تعلیمی کی طرف سے کہا گیا کہ ترکی کے دستور میں یہ بھی ہے کہ کسی بھی شخص کو حصولِ تعلیم کے حق سے بازنہیں رکھا جاسکتا اور بالآخر بات مجلس ہی کی معتبر رہی۔

اسلامی مفکرین دانشوران اور امت کے احوال کے تئیں واقعیت پسندی سے کام لینے والے ہر شخص کے دل میں ان سوالات کا کھٹکنا بالکل یقینی اور بدیہی ہے کہ آخر اسلامی پردے کے تئیں اس تنگ نظری کی کیا وجہ ہے؟ اور پردہ داری کی وجہ سے صرف مسلم خواتین کے حق میں ہی ہر نوع کا تشدد کیوں روا رکھا جارہا ہے؟ حالانکہ عیسائی راہبات اور بدھسٹ مذہب پرست عورتوں میں بھی اس کا خوب چلن ہے اور سب سے اہم یہ کہ اعداء اسلام کی ان ریشہ دوانیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اسلامی معاشرے ہی سے جنم لینے والے چند ایک مذہب بیزار ذہنیت رکھنے والوں کی طرف سے ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کی صدائے مسلسل کیوں آرہی ہے؟۔

حکم حجاب پر چھینٹا کشی کرنے اور اس کو تنقید کا نشانہ بنانے کی وجہ نام نہاد جمہوریت کی پامالی کو بتایا جاتا ہے؛ حالانکہ دیگر مذاہب کی ماننے والی خواتین بھی اپنا مذہبی لباس پہنتی ہیں اور کسی بھی پبلک مقام یا تعلیم گاہ میں آنے کی ان کو کھلی اجازت ہوتی ہے۔

آخر جمہوریت کی بحالی کے لیے یہ دوہرے پیمانے کیوں؟ ایک طرف تو اسلامی پردے پر روک لگائی جائے اور دوسری طرف دیگر افراد کے لیے کوئی قید نہ ہو۔

بات دراصل یہ ہے کہ ان کے دعوے کے پیچھے ان کی بدنیتی پوشیدہ ہے، حکمِ حجاب پر پابندی کا مطالبہ اس لیے نہیں کرتے جو وہ ظاہر کرتے ہیں؛ بلکہ ان کے اس پروپیگنڈے کے پس پردہ اسلام کی بڑھتی ہوئی حیرت انگیز طور پر مقبولیت، اس کی بے پناہ کشش اور تعجب خیز حد تک حقیقت بیں افراد کے اسلام کے حظیرۂ قدس میں پناہ لینے کے غیر منتہی تسلسل کو منقطع کرنے کی گھناؤنی سازشیں سرگرم عمل نظر آتی ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کی قدرتی مقناطیسیت ہر فردِ باشعور کو اپنی طرف حیرت ناک حد تک کھینچے جارہی ہے، ہر سال اسلامی تعلیمات کی شفافیت سے متاثر ہوکر بے شمار افراد قبول اسلام سے مشرف ہورہے ہیں، اسی طرح اسلام کے حکمِ حجاب سے متاثر ہوکر ان گنت خواتین اسلام کی طرف جھک رہی ہیں؛ بلکہ چند ایک نومسلم خواتین کے یہ تاثرات دشمنانِ اسلام کے دماغ کی چولیں ہلائے دے رہے ہیں کہ وہ حجاب اپنا کر اپنے آپ کو انتہائی محفوظ محسوس کررہی ہیں، حجاب اور باحجاب خواتین کو تشددِ بے جا کا نشانہ بنائے جانے کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے۔

ایسے نازک ترین اور تشویشناک صورتِ حال میں اسلامی سوسائٹی کا یہ فریضہ ہے کہ اسلام کی بیٹیوں کو ان کی اصلیت سمجھائے، اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائے، انھیں بتائے کہ اسلام

نے حجاب کا حکم دے کر تم پر ظلم نہیں کیا ہے؛ بلکہ تمہاری عصمت وعفت کی حفاظت کا ایک اچھا انتظام کیا ہے۔ ان کے ذہن ودماغ میں یہ تصور بٹھادے کہ اگر حالات کے تھپیڑے اور حوادث دہر کی بے دردیاں کہیں تمہیں تلاش معاش میں بیرونِ خانہ نکلنے پر مجبور کردیں تو بھی تم اپنی ناموس کے تحفظ کی خاطر حجاب سے ہرگز باہر نہ آنا، انہیں یہ بھی ذہن نشین کرادیا جائے کہ اگر تم کسی بڑی دانش گاہ کی طالبہ ہو تو بھی پردہ نشینی سے دامن نہ جھٹک دینا، ان کے دلوں میں یہ حقیقت نقش کالحجر کردی جائے کہ تمہارے لیے شفقتِ مادریت، محبت خواہریت اور شوہر کے ساتھ اطاعت شعاری ووفاکیشی ایک عظیم شرف ہے نہ کہ بوجھ اور تکلیف کا سامان، انہیں اسلام کی روشن تعلیمات کے ذریعہ یہ باور کرادیا جائے کہ اسلام نے؛ بلکہ اسلام ہی نے تمہارے تمام حقوق کو کما حقہ ادا کیا ہے، انہیں یقین دلایا جائے کہ اسلام نے ماں ہونے کی صورت میں تمہارے قدموں تلے جنت رکھا ہے، بہن ہونے کی صورت میں بھائیوں کے بے مثال لاڈ وپیار سے نوازا ہے اور بیوی ہونے کی صورت میں تمہیں گھر کی ملکہ بنایا ہے، انہیں یاد دلایا جائے کہ اسلامی تاریخ میں صدیقؓ وفاروقؓ، عثمانؓ وعلیؓ، خالدؓ وابن الوقاصؓ وابن زیادؒ وابن قاسمؒ، ایوبیؒ وزنگیؒ، بوحنیفہؒ ومالکؒ، جنیدؒ وشبلیؒ اور ان جیسے ہزاروں جواہر ریزے تمہاری دَین ہیں؛ لہٰذا وقت کے تند وتیز جھکڑ تمہارے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ پیدا کرنے پائیں اور تمہاری ناموس ووقار کے لٹیروں کی سازشیں ہرگز ہرگز تمہیں اپنے دین سے سرگشتہ نہ کرنے پائیں۔

اسی طرح مسلم معاشرے کے تنور پسند اور تہذیب جدید کو خوش آمدید وآفریں کہنے والوں کی غیرت وحمیت پر تازیانے برسائے جائیں، ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم اتنے دیوث ہوگئے کہ سرِ عام اپنی عزت وناموس کو بیچنے کے لیے تیار ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ مغرب کی عریانیت وفحاشی اسلام کے حصن حصین میں درآئے؟ کیا تم پسند کروگے کہ تمہاری بیٹیاں سرِ بازار اپنے حسن کی نمائش کریں، نائٹ کلبوں، رقص گاہوں اور تھیٹروں میں عریاں ونیم عریاں ہوکر شہوت رانی وہوس پرستی کے خوگروں کے لیے اپنی موسیقی سے لذت گوش، اپنے رقص وناز وادا سے لذت نظر اور اپنے صنفی کمالات (اور درحقیقت حیوانیت) کے ذریعہ لذت جسم بن جائیں؟۔

ان مائل بہ آوارگی ذہنوں اور مذہب ومذہبیات کے پالے سے اپنے کندھے کو جلد از جلد ہلکا کرنے کو بے تاب افراد کے سامنے تاریخ کی روداد ورق در ورق کھول کر رکھ دی جائے، انہیں بتایا جائے کہ تہذیبِ یونان کے آفتابِ نیم روز کے گہنانے کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ اہل یونان

خدا کی دی ہوئی بے پناہ دولت، سیم وزر کے ذخائر اور وسائل معیشت کی بے پناہ فراوانی کا صحیح اور موزوں طریقہ پر استعمال کرنے کی بجائے عیش وعشرت کے دل دادہ ہوگئے تھے، حسن وعشق کے درمیان پردہ نام کی کوئی چیز نہ تھی، شہوت رانی جنون کی حد تک ان کے دل ودماغ پر چھا چکی تھی بالآخر شورش شباب وکباب اور فتنۂ خم وساغر نے ان کا قصہ ہی پاک کرڈالا اور تاریخ میں وہ فقط افسانۂ عبرت بن کر رہ گئے، پھر روم کی بلند اقبالی کا دورِ ہمایوں آیا، ان کی تہذیب کا بھی خوب چرچا رہا، دنیا کے خطے خطے اور گوشے گوشے میں ان کی عظمت کی دھوم مچ رہی تھی؛ مگر انھوں نے بھی وہی غلطی کی کہ کہاں تو عصمت وعفت کو ایک قیمتی شئی سمجھا جاتا تھا اور اسی کو معیار شرافت گردانا جاتا تھا، اخلاق کا معیار کافی بلند تھا؛ مگر اچانک اخلاقیات کے سارے بند ٹوٹ پڑے اور روم میں شہوانیت، عریانیت اور فواحش کا سیلاب بلاخیز پھوٹ پڑا تھیٹروں میں بے حیائی کے کھلم کھلا مظاہرے ہونے لگے، ننگی اور فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کے لیے ضروری ہوگئیں، قحبہ گری کے کاروبار کو اتنا فروغ حاصل ہوا کہ قیصر ٹائبریس (۱۴م تا ۳۷م) کو معزز خاندانوں کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لیے مستقل قانون پاس کرنا پڑا، رومی لٹریچر میں فحش اور عریاں مضامین بے تکلف پڑھے جاتے تھے؛ بلکہ وہی ادب مقبول عام ہوتا تھا جس میں استعارے کنائے کا بھی کوئی گذر نہ ہو، بہیمی خواہشات سے اس قدر مغلوب ہوجانے کے بعد تہذیبِ روم کا قصرِ عظمت ایسا پیوندِ خاک ہوا کہ پھر اس کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکی۔

مسلم معاشرہ کے عقل باختہ اور فریب خوردہ افراد کو مغربی تہذیب اور اس کے لائے ہوئے گناہوں کے سیلاب کے بارے میں کھول کھول کر بیان کیا جائے انہیں بتایا جائے کہ فرماں روایانِ مغرب کا نعرۂ مساواتِ مرد وزن، ان کے معاشی استقلال کی صدائے بازگشت اور مرد وعورت کے آزادانہ اختلاط کے اس پروپیگنڈے کے پس منظر میں کیا ہے، وہ دراصل بھانپ چکے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے دین، ان کے نبی ﷺ اور ان کے قرآن سے برگشتہ کرنے کے لیے ظلم وعدوان کی ہر تدبیر ناکارہ ہوتی جارہی ہے، لالچ اور حرص وطمع دے کر بھی ہم انھیں شیشے میں نہ اتار سکے؛ اس لیے انھوں نے ایسے پرفریب نعرے دیے کہ بہ ظاہر ہر سننے والا اس کو اپنے دل کی آواز سمجھ بیٹھے اور باور کرلے کہ واقعتاً عورت کی صنف اب تک دبی کچلی تھی اور تہذیبِ غرب کے علمبرداروں کی ان کے حقوق کی بازیابی کی کوششوں کو سراہنا چاہیے؛ بلکہ ان کے قدم سے قدم ملاکر تعاون باہمی کا مکمل ثبوت دینا چاہیے؛ حالانکہ مغرب کی پالیسی وہ بالکل نہیں جو وہ ظاہر کرتے ہیں؛

بلکہ وہ فطرت کے مقیاس بدل دینے کے خواہاں ہیں، مساوات کے نام پر عورتوں کو ان کی سکت سے زیادہ مکلّف بنانے کی خطرناک سازش ہے اور سب سے زیادہ ان کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان عورتوں پر نشانہ سادھا جائے، ان کے نقاب کو الٹ دیا جائے اور ان کو کوچہ و بازار، رقص گاہ، سرکاری دفاتر اور ہر پبلک مقام پر کھینچ کر لایا جائے اور عورت و مرد کے آزادانہ اختلاط کا اندوہ ناک نتیجہ یہ ہے کہ عورتوں میں حسن کی نمائش، عریانی اور فواحش کو غیر معمولی ترقی ملی ہے، صنفی میلان جو پہلے ہی سے مرد و عورت کے درمیان موجود ہے طاقت ور ہوتا جارہا ہے، پھر اس قسم کے صنفی اختلاط کی سوسائٹی میں دونوں صنفوں کے اندر یہ جذبہ ابھرآتا ہے کہ صنف مقابل کے لیے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنیں اور جبکہ اخلاقی نظریات کی رو سے ایسا کرنا باعث ننگ و عار بھی نہ ہو؛ بلکہ شان دلربائی کو مستحسن سمجھ لیا گیا ہو تو حسن و جمال کی نمائش اپنی تمام حدوں کو توڑتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ برہنگی کی آخری حد تک پہنچ کر ہی دم لیتی ہے یہی کیفیت اس وقت مغربی تہذیب میں پیدا ہوچکی ہے صنف مقابل کے لیے مقناطیس بننے کی خواہش عورت میں اتنی بڑھ گئی ہے (اور کسی لمحہ رکنے کا نام نہیں لیتی) کہ شوخ و شنگ لباسوں، غازوں کی تہوں، سرخیوں اور بناؤ سنگار کے نت نئے سامانوں کے استعمال کے باوجود اس کی شہوت نمائش حسن کو قطعی تسکین نہیں ملتی؛ چنانچہ وہ تنگ آکر کپڑوں سے باہر نکل پڑتی ہے، یہاں تک کہ بسا اوقات بدن پر تار تک نہیں رہنے دیتی، ادھر مردوں کی طرف سے ''ھل من مزید'' کی مسلسل صدا ہے؛ کیوں کہ جذبات میں جو آگ لگی ہے وہ بے حجابی کے ہر منظر پر سرد نہیں ہوتی؛ بلکہ اس میں اور شعلگی آجاتی ہے اور مزید بے حجابی کا مطالبہ کرتی ہے ان غریبوں کی پیاس بڑھتے بڑھتے، ایسی حالت ہوچکی ہے، جیسے کسی کو استسقار کا مرض ہو اور پانی کے ہر گھونٹ کے حلق سے نیچے اترنے پر اس کی پیاس مزید بڑھتی جاتی ہو، حد سے بڑھی ہوئی شہوانیت کی تسکین کے لیے وہ ہر ممکن طریقہ استعمال کرتے ہیں؛ چنانچہ یہ ننگی تصویریں، یہ فحش لٹریچرس، یہ عشق و محبت کے افسانے یہ عریاں اور جڑواں ناچ کے حیاسوز مناظر اور یہ جذبات شہوانی سے بھری ہوئی فلمیں آخر کیا ہیں؟ سب اسی آگ کو بجھانے (اور دراصل بھڑکانے) کے سامان ہیں، جو اس غلط معاشرت نے سینوں میں لگا رکھی ہے، اور اس بے حیائی و عریانیت کا نام انھوں نے آرٹ، ثقافت اور فنون لطیفہ رکھا ہے۔

مغرب کی اس فحاشیت سے خود اس معاشرے میں جنم لینے والی بیٹیاں تنگ آچکی ہیں، جو ان میں تعلیم یافتہ اور باشعور ہیں، وہ اسلام کے غیر جانبدارانہ مطالعہ کے بعد بصد شوق و رغبت

اسلام کی آغوش میں پناہ گزیں ہورہی ہیں، اور ایسی خواتین کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، مغرب کی تہذیب کی بنیادوں کو گھن لگ چکا ہے اور اس کی عظمت وسطوت کا بلند وبالا محل زمین دوز ہوا ہی چاہتا ہے۔

اب ایک بار پھر ان مغرب زدہ مشرقیوں سے پوچھا جائے کہ کیا تم اسی تہذیب کے حامی بننا چاہتے ہو جس کے دن گنے جاچکے ہیں؟ جس کی گود میں پلنے والے افراد ہی اس سے دامن چھڑانے کو بے تاب ہیں، جس کی دَین کہ انسان جسے اللہ نے مکرم بنایا تھا وہ ذلت ورسوائی کی تمام حدوں سے گذر چکا ہے۔ تہذیب جدید کے ان ہلاکت خیز نتائج کے سامنے آجانے کے باوجود اگر تمہیں عقل نہ آئی، تم نے اپنے خاندان اور معاشرے میں اسلامی حجاب کو رواجِ عام نہ دیا، تو اس دن کے لیے تیار رہنا، جب تمہاری ''فراخ دلی'' کشادہ ظرفی'' اور ''مارڈنیسٹ'' بننے کے شوقِ بے پناہ کی بھینٹ خود تمہاری بیٹی چڑھ جائے اور تمہیں اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس روئے زمین پر ذلت ورسوائی کے سیاہ ترین دھبے کو دھونے کے لیے کوئی جگہ میسر نہ ہو، وَلَا رَادَّ لِقَضَائِہٖ.

☆ ☆ ☆

تحفظ ختم نبوت کی خاطر قربانیاں

(۲)

از: مولانا حذیفہ وستانوی
ناظم تعلیمات ومعتمد جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

عقیدۂ ختم نبوت پر امت کا سب سے پہلا اجماع

اسلام میں سب سے پہلا اجماع اس پر منعقد ہوا تھا کہ دعوی نبوت بغیر اس تحقیق کے کہ اس کی تاویل کیا ہے اور کیسی نبوت کا دعوی ہے؟ کفر اور ارتداد ہے، اور مدعیِ نبوت کی سزا قتل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اجماع سے صدیق اکبرؓ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے جہاد کیا گیا اور اس کو قتل کیا گیا۔

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی فرماتے ہیں:

''ختم نبوت کا عقیدہ ان اجماعی عقائد میں سے ہے جو اسلام کے اصول اور ضروریات دین میں شمار ہوتے ہیں اور عہد نبوی سے لے کر آج تک ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا آیا کہ آں حضرت ﷺ بلا کسی تاویل وتخصیص کے خاتم النّبیین ہیں اور یہ مسئلہ قرآن کریم میں صریح آیات اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، جس کا منکر قطعاً کافر ہے اور کوئی تاویل وتخصیص اس بارے میں قبول نہیں کی گئی۔ (احتساب قادیانیت: ج ۲/ص ۱۰)

یہاں ایک امر قابل غور ہے وہ یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس نازک وقت میں مدعی نبوت اور اس کی امت سے جہاد وقتال کو یہود اور نصاری اور مشرکین سے جہاد وقتال پر مقدم سمجھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مدعیِ نبوت اور اس کی امت کا کفر یہود اور نصاری اور مشرکین کے کفر سے بڑھا ہوا ہے۔ عام کفار سے صلح ہوسکتی ہے ان سے جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے؛ مگر مدعی نبوت سے نہ تو کوئی صلح ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس سے کوئی جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت اگر آج کل جیسے سیاسی لوگ ہوتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتے کہ باہمی تفرقہ مناسب نہیں۔

مسیلمہ کذاب اور اس کی امت کو ساتھ لے کر یہود اور نصاریٰ کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ حضرت علامہ محمد انور کشمیری قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ: مسیلمۂ کذاب اور مسیلمۂ پنجاب کا کفر فرعون کے کفر سے بڑھ کر ہے؛ اس لیے کہ فرعون مدعیٔ الوہیت تھا اور الوہیت میں کوئی التباس اور اشتباہ نہیں، ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص کھاتا اور پیتا اور سوتا اور جاگتا اور ضروریات انسانی میں مبتلا ہوتا ہے وہ خدا کہاں ہوسکتا ہے؟ مسیلمہ مدعی نبوت تھا ظاہری بشریت کے اعتبار سے سچے نبی اور جھوٹے نبی میں التباس ہوسکتا ہے؛ اس لیے مدعیِ نبوت کا فتنہ مدعی الوہیت کے فتنہ سے کہیں اہم اور عظیم ہے اور ہر زمانے میں خلفاء اور سلاطین اسلام کا یہی معمول رہا کہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اسی وقت اس کا سر قلم کیا۔

اہل حق نے اس فتنہ کے استیصال کے لیے جو سعی اور جد وجہد ممکن تھی اس میں دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح مدعی نبوت سے جہاد بالسیف والسنان تو ارباب حکومت کا کام ہے اور جہاد قلمی اور لسانی یہ علماء حق کا کام ہے۔ سوالحمد للہ علماء نے اس جہاد میں کوئی کوتاہی نہیں کی، تقریر اور تحریر سے ہر طرح سے مدعی نبوت کا مقابلہ کیا۔ (احتسابِ قادیانیت: ج ۲/ص ۱۱ تا ۱۲)

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ ''ختم النبوۃ فی الآثار'' کے آغاز میں ختم نبوت پر اجماع کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صحابۂ کرام کا سب سے پہلا اجماع مسئلہ ختم نبوت پر اور اُس کے منکر کے مرتد اور واجب القتل ہونے پر ہوا ہے

مسیلمۂ کذاب کا دعویٔ نبوت اور صحابۂ کرام کا اس پر جہاد

اسلام میں یہ بات درجۂ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آں حضرت ﷺ کی موجودگی میں دعوائے نبوت کیا، اور بڑی جماعت اس کی پیرو ہوگئی، اور آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلا مہم جہاد جو صدیق اکبرؓ نے اپنی خلافت میں کیا ہے، وہ اسی جماعت پر تھا، جمہور صحابۂ کرام مہاجرین وانصار نے اس کو محض دعوائے نبوت کی وجہ سے اور اس کی جماعت کو اس کی تصدیق کی بنا پر کافر سمجھا، اور باجماع صحابہ وتابعین اُن کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور یہی اسلام میں سب سے پہلا اجماع تھا، حالاں کہ مسیلمہ کذاب بھی مرزا صاحب کی طرح

آپ ﷺ کی نبوت اور قرآن کا منکر نہ تھا بلکہ بعینہٖ مرزا صاحب طرح آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا، یہاں تک کہ اُس کی اذان میں برابر اشہدان محمدا رسول اللہ پکارا جاتا تھا، اور وہ خود بھی بوقتِ اذان اس کی شہادت دیتا تھا۔ (تاریخ طبری: ۳/ ۲۴۴)

الغرض! نبوت وقرآن پر ایمان اور نماز روزہ سب ہی کچھ تھا، مگر ختم نبوت کے بدیہی مسئلہ کے انکار اور دعوائے نبوت کی وجہ سے باجماع صحابہ کافر سمجھا گیا اور حضرت صدیقؓ نے صحابہؓ کرام، مہاجرین وانصار اور تابعین کا ایک عظیم الشان لشکر حضرت خالد بن ولیدؓ کی امارت میں مسیلمہ کے خلاف جہاد کے لیے یمامہ کی طرف روانہ کیا۔

جمہور صحابہؓ میں سے کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ کیا اور کسی نے نہ کہا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں، کلمہ گو ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اُن کو کیسے کافر سمجھ لیا جائے۔

بعض لوگوں نے آں حضرت ﷺ کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تھا، صدیق اکبرؓ نے اُن پر جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت فاروقؓ نے وقت کی نزاکت اور مسلمانوں کی قلت وضعف کا عذر پیش کر کے ابتداً اُن کی رائے سے خلاف رائے ظاہر فرمائی، لیکن حضرت صدیقؓ کے ساتھ تھوڑے سے مکالمہ کے بعد ان کی رائے بھی موافق ہوگئی۔

الغرض حضرت فاروقؓ کا ابتداً خلاف کرنا بھی مسیلمہ کے واقعہ میں ثابت نہیں جیسا کہ بعض غیر محقق لوگوں نے سمجھا ہے۔

الحاصل بلاخوف وبلانکیر یہ آسمانِ نبوت کے ستارے اور حزب اللہ کا ایک جم غفیر یمامہ کی طرف بڑھا، اس کی پوری تعداد تو اس وقت نظر سے نہیں گذری مگر تاریخ طبری میں حضرت صدیق اکبرؓ کا ایک فرمان خالید بن ولیدؓ کے نام درج ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابہ وتابعین اس جہاد میں شہید ہوئے ان کی تعداد بارہ سو ہے۔ نیز اسی تاریخ میں ہے کہ مسیلمہ کی جماعت جو اس وقت مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلی تھی اس کی تعداد چالیس ہزار مسلح جوان تھی، جن میں سے اٹھائیس ہزار کے قریب ہلاک ہوئے اور خود مسیلمہ بھی اسی فہرست میں داخل ہوا، باقی ماندہ لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے، حضرت خالیدؓ کو بہت مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے، اور پھر صلح ہوگئی۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہؓ کی کتنی بڑی جماعت اس میدان میں آئی تھی جنہوں نے ایک مسئلۂ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے نہ وقت کی نزاکت کا خیال کیا اور نہ مسلمانوں کی بے

سروسامانی کا، اور نہ اس جماعت کے اذان ونماز اور تلاوت واقرار نبوت، بلکہ اتنی بڑی عظیم الشان جماعت پر جہاد کرنے کے لیے باجماع واتفاق اٹھ کھڑے ہوئے۔ (ختم نبوت: ص ۳۰۲ تا ۳۰۴)

اس کے بعد ان صحابہ کے نام تحریر فرماتے ہیں جو ختم نبوت پر شاہد ہیں۔

ان صحابۂ کرام کے اسماء گرامی جو ختم نبوت کے شاہد ہیں

حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت اُبی بن کعب، حضرت انس، حضرت حسن، حضرت عباس، حضرت زبیر، حضرت سلمان، حضرت مغیرہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوذر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر عبداللہ، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس، حضرت خالد بن ولید، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عقیل بن ابی طالب، حضرت معاویہ بن جندہ، حضرت بہز بن حکیم، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت بریدہ، حضرت زید بن اوفیٰ، حضرت عوف بن مالک، حضرت نافع، حضرت مالک بن حویرث، سفینہ مولیٰ حضرت ام سلمہ، حضرت ابوالطفیل، حضرت نعیم ابن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابوحازم، حضرت ابومالک اشعری، حضرت امّ کرز، حضرت زید بن حارثہ، حضرت عبداللہ بن ثابت، حضرت ابوقتادہ، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت ابن غنم، حضرت یونس بن میسرہ، حضرت ابوبکرہ، حضرت سعید بن جہثیم، حضرت سعد، حضرت زید بن ثابت، حضرت عرباض ابن ساریہ، حضرت زید ابن ارقم، حضرت مسعود بن مخرمہ، حضرت عروہ بن رویم، حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت تمیم داری، حضرت محمد بن حزم، حضرت سہل بن سعد الساعدی، حضرت ابوزمل جہنی، حضرت خالد بن معدان، حضرت عمرو بن شعیب، حضرت مسیلمہ بن نفیل، حضرت قرۃ بن ایاس، حضرت عمران بن حسین، حضرت عقبہ بن عامر، جضرت ثوبان، حضرت ضحاک بن نوفل، حضرت مجاہد، حضرت مالک، حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت حبشی بن جنادہ، حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت سلمہ اکوع، حضرت عکرمہ بن اکوع، حضرت عمرو بن قیس، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ، حضرت عصمہ بن مالک، حضرت ابوقبیلہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین!

یہ اسّی حضرات میرے مقدمہ کے گواہوں کی پہلی قسط ہیں، جو مرزا جی کی نبوت کے گواہ کنہیّا

لال وغیرہ نہیں؛ بلکہ آفتابِ نبوت کی شعاعیں، ہدایت کے ستارے، علوم نبوت کے وارث، ثقاہت و دیانت کے مجسمے، علم و عمل کے سارے عالَم کے مسلّم اُستاذ، صحابۂ کرایم رضوانہ اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت کے افراد ہیں۔

اولئك اٰبائی فجئني بمثلهم
إذا جمعتنا یا غلامُ المجامعُ

''یہ میرے مقتدا ہیں پس (اگر دعوی ہے) اے غلام احمد مجلس میں اُن کی مثال پیش کر اس فرشتہ صفت جماعت پر اگر میں فخر کروں تو بجا ہے''

ولے درام جواہر خانۂ عشق است تحویلش
کہ دار وزیر گردوں میر سامانے کہ من دارم

یہ صحابہؓ کی جماعت ہے، ہم تو بحمد اللہ تعالیٰ اُن کی اقتدا کو ذریعۂ نجات اور فرمانِ نبوی ما انا علیہ واصحابی کی تعمیل سمجھتے ہیں، اگر یہ حق پر ہیں تو ہم بھی اس کے متبع ہیں، اور اگر حق رسولِ کریم ﷺ اور صحابہؓ کے اُسوۂ حسنہ کے سوا کسی اور چیز کا نام ہے تو ہم شرحِ صدر سے کہتے ہیں کہ ہمیں ایسے مرزائی حق کی ضرورت نہیں۔

و رشادی ان یکنُ فی سلوَتی
فدعونی لستُ ارضٰی بالرشادِ

''اور اگر میری ہدایت اسی میں منحصر سمجھی جائے کہ میں آپ کی محبت سے علیحدہ ہوجاؤں تو مجھے اپنے حال پر چھوڑو میں ایسی ہدایت نہیں چاہتا''

(ختم نبوت: ص۳۱۳ تا ۳۱۵)

اس کے بعد محدثین، مفسرین، فقہاء، متکلمین، صوفیاء کرام کے نام تحریر فرماتے ہیں:

طبقات المحدثین

اس باب میں ہم سب سے پہلے اُن حضرات محدثین کے اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں، جنہوں نے ختمِ نبوت کے متعلق آں حضرت ﷺ سے احادیث روایت کی ہیں اور اختلافِ رائے یا تاویل و تخصیص کو اس میں ظاہر نہیں فرمایا؛ بلکہ اس کو بعینہٖ اپنی ظاہری مراد میں تسلیم کیا ہے۔ اور چوں کہ وہ تمام احادیث مع حوالۂ صفحات کتاب اور تصریح اسمائے محدثین اسی رسالہ کے حصہ دوم

میں گذر چکے ہیں، اس لیے اب مکرر حوالۂ صفحات یا نقل عبارات بالکل زائد سمجھ کی صرف اُن حضرات محدثین کے اسمائے گرامی شمار کرنے پر اکتفار کیا جاتا ہے جن سے ہم نے روایاتِ حدیث لی ہیں:

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری، امام المحدثین امام مسلم، نسائی، ابوداؤد سجستانی، ترمذی، ابن ماجہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل، طحاوی، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد طیالسی، طبرانی، ابن شاہین، ابونعیم، ابن حبان، ابن عساکر، حکیم ترمذی، حاکم، ابن سعد، بیہقی، ابن خزیمہ، ضیاء، ابویعلیٰ، محی السنہ بغوی، دارمی، خطیب، سعید بن منصور، ابن مردویہ، ابن ابی الدنیا، دیلمی، ابن ابی حاتم، ابن النجار، بزار، ابوسعید باوردی، ابن عدی، رافعی، ابن عرفہ، ابن راہویہ، ابن جوزی، قاضی عیاض، عبد بن حمید، ابونصر سنجری، ہروی، ابن منذر، دارقطنی، ابن السنی تلمیذ نسائی، رویانی، طبری فی الریاض النضرۃ، خطابی، خفاجی، حافظ ابن حجر در شرح بخاری، قسطلانی در شرح بخاری، نووی در شرح مسلم، صاحب سراج الوہاج در شرح مسلم، سندی در حاشیہ نسائی، شارح ترمذی، شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ (ختم نبوت: ص ۳۱۶، طبقات المحدثین)

طبقات فقہاء

ابن نجیم، ابن حجر مکی، ملا علی قاری، علامہ سید محمود مفتی بغداد، شیخ سلیمان بجیری، عبدالرشید بخاری، فتاوی عالمگیری کے مرتبین، صاحب فصول عمادی، صاحب شرح منہاج وغیرہم۔ ان تمام فقہاء نے منکرِ ختم نبوت اور مدعیِ نبوت کو کافر، کاذب، دجال قرار دیا ہے۔ (ختم نبوت: ص ۳۲۵)

حضرات متکلمین

ابن حزم اندلسی، امام نسفی، علامہ تفتازانی، حضرت شاہ عبدالعزیز، صاحب جواہر توحید، امام عبدالسلام، عبدالغنی نابلسی، ابوشکوہ سالمی، امام سفارینی، امام غزالی۔

صوفیائے کرام

عبدالرحمٰن جامی، نظامی گنجوی، صاحب شرح تعرف، عبدالقادر جیلانی، عمادالدین اموی، تقی الدین عبدالملک، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی وغیرہم۔

علمائے امت کے ہر طبقہ اور ہر جماعت میں سے چند ارکان وعمائد کی شہادتیں آپ کے

سامنے آچکی ہیں، جن میں بغیر کسی تاویل وتخصیص اور بلاتقسیم وتفصیل کے جس چیز کا نام عرفِ شریعت میں نبوت ہے اس کو آں حضرت ﷺ پر مختتم مانا گیا ہے۔ (ختم نبوت: ص۳۳۵)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تو قانون فطرت سے بھی مسئلہ ختم نبوت کو ثابت کرکے بتلایا ہے۔ فرماتے ہیں:

قانون فطرت بھی ختم نبوت کا مقتضی ہے

کائنات عالم پر سرسری نظر ڈالنے والا دنیا میں دو چیزیں دیکھتا ہے، ایک وحدت دوسری کثرت؛ لیکن جب ذرا تأمل کیا جائے اور نظر کو عمیق کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں بھی وحدت ہی اصل الاصول ہے، جتنی کثرتیں سطحی نظر میں سامنے آتی ہیں وہ بھی کسی وحدت میں منسلک ہیں اس کا شیرازۂ وجود منتشر ہوکر قریب ہے کہ عدم میں شامل ہو جائے، اس لیے ایسی کثرت کو موجود کہنا بھی فضول ہوگا۔

مثال کے لیے دیکھیے کہ جب ہم آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو اس کے محیر العقول طول وعرض میں بے شمار کثرتیں کھپی ہوئی دکھائی دیتی ہیں؛ لیکن جب ان کثرتوں کے سلسلہ میں نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کثرتیں ایک ہی مرکز کے ساتھ وابستہ ہیں، اور ایک ہی محور پر حرکت کررہی ہیں، اور اگر ان کا سلسلہ اس وحدت پر منتہی نہ ہوتا تو یہ نظام سماوی کسی طرح باقی نہ رہ سکتا تھا۔

آسمان سے نیچے ابر کے موالید ثلاثہ میں بھی یہی فطری قانون نافذ ہے۔ جمادات کے ذرا ذرا پر نظر ڈالو تو کس قدر بے شمار کثرتیں سامنے آتی ہیں، لیکن وہ سب بھی اسی طرح ایک وحدت میں منسلک ہیں، اور جب رشتۂ انسلاک ٹوٹتا ہے تو اس کے لیے موت کا پیام ہوتا ہے۔

نباتات میں بے شمار شاخیں، پتے اور پھل پھول نئے نئے رنگ اور نئی نئی وضع میں کثرت کی شان لئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں؛ لیکن اگر ان کی انتہا ایک جڑ کے ساتھ وابستہ نہ ہو تو فرمایئے کہ اس باغ وبہار کی عمر کتنی رہ سکتی ہے۔

حیوانات میں ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک اور تین سو ساٹھ جوڑوں کی کثرت موجود ہے؛ لیکن اگر یہ سب ایک رشتۂ وحدت میں منسلک نہ ہوں تو یہی اس کی موت ہے۔

اس کے بعد دنیا میں تمام مشینوں، انجنوں، گاڑیوں، برقی تاروں اور واٹر ورکس کے نلوں،

وغیرہ وغیرہ پر نظر ڈالیے تو سب کو اسی قانونِ فطرت کی جکڑ بند سے آباد پائیں گے، اور جب کسی انجن کے کل پرزے اس کے روح (اسٹم) سے علیحدہ ہوں، یا گاڑیوں کا باہمی ربط ٹوٹے یا برقی تاروں کا اتصال بجلی کے خزانہ کے ساتھ نہ رہے، یا پانی کے نل واٹرورکس سے منقطع ہوجائیں تو ان کا وجود بھی بے کار ہے۔

کائنات عالم کی ان مثالوں پر نظر کر کے جو قانون قدرت ذہن نشین ہوتا ہے، نبوت اور رسالت بھی اس سے علیحدہ نہ ہونی چاہئے؛ بلکہ عالم کی تمام نبوتوں کا سلسلہ بھی کسی ایسی نبوت پر ختم ہونا چاہیے جو سب سے زیادہ اقوی واکمل ہو اور جس کے ذریعہ سے نبوتوں کی کثرت ایک وحدت پر منتہی ہو کر اپنے وجود کو قائم اور مفید بنا سکے، اور مسلم ہے کہ اس سیادت وفضیلت کی حقدار صرف حضرت خاتم الانبیاء ہی ہو سکتے ہیں، جن کی سیاست پر انبیاء سابقین اور ان کی کتب سماوی اور پھر ان کی امتیں خود گواہ ہیں، جن کی تصریحات ابھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

اور یہی رمز ہے اس میثاق میں جو تمام انبیاء ورسل سے لیا گیا ہے کہ اگر وہ آپ ﷺ کا زمانہ پائیں تو آپ ﷺ پر ایمان لائیں، اور آپ کی مدد کریں، ارشاد ہے:

"لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ" ''ضرور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں''

اور اس میثاق کی تصدیق اور سیادت کو ثابت کرنے کے لیے خداوند عالم نے دو مرتبہ دنیوی حیات میں آپ ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جمع فرمایا، اور یہ سیادت اس طرح ظاہر فرمائی کہ آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے امام ہوئے، جس کا مفصل واقعۂ اسراء ومعراج کے تحت میں تمام کتبِ حدیث میں صحیح ومعتبر روایات سے منقول ہے، پھر آخرِ زمانہ میں انبیائے سابقین میں سے آخری نبی حضرت عیسی علیہم السلام کو آپؐ کی شریعت کا صریح طور پر متبع بنا کر بھیج دیا؛ تاکہ اس میثاق پر صاف طور سے عمل ہوجائیں۔

قانون فطرت کی دوسری نظیر

دنیا کی اکثر چیزوں پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک مقصد کے پورا کرنے کے لیے سینکڑوں اسباب وآلات کام میں آتے ہیں، اور ایک زمانۂ درازا بتدائی مقدمات طے کرنے میں صرف ہوتا ہے، سب سے آخر میں مقصود کی صورت نظر آتی ہے، مثال کے لیے درختوں کو دیکھئے اور بیج بونے کے وقت تک تمام درمیانی مراحل پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ان

تمام کا دشوں کا اصلی مقصود یہ تھا جو آج سامنے آیا ہے؛ اسی طرح تمام کائنات کی پیدائش کا اصلی مقصد اور تمام نبوتوں کا خلاصہ آں حضرت ﷺ ہیں، اور قانونِ فطرت کے موافق آخر میں تشریف لائے ہیں۔ اسی مضمون کو سندی شیخی واستاذی حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس بلیغ شعر میں ادا فرمایا ہے:

اے ختم رسل امتِ تو خیر الامم بود
چوں ثمرہ کہ آبد آید ہمہ در فصل نضیری

تیسری نظیر

اسی طرح شاہی درباروں پر نظر ڈالوں کہ ایک مدت پہلے سے اس کا انتظام کرنے کے لیے سیکڑوں بڑے چھوٹے حکام برسرِ کار آتے ہیں، لیکن ان سب کا اصلی مقصد سلطانی دربار کے لیے راستہ ہموار کرنا ہوتا ہے، اور اسی لیے جب دربار کا وقت آتا ہے اور بادشاہ تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہوکر مقاصد دربار کی تکمیل کرتا ہے تو اس کے بعد اور کسی کا انتظار باقی نہیں رہتا، اور اسی پر دربار ختم ہوجاتا ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں بھی اسی طرح سلطان الانبیاء ﷺ پر سلسلہ نبوت کا ختم ہوجانا بالکل قانونِ فطرت اور مقتضائے عقل کے موافق ہے۔

اس قسم کی سیکڑوں نظریں ذرا تأمل سے ہر شخص نکال سکتا ہے۔

قرآن وحدیث اور اجماع امت اقوالِ صحابہ وتابعین اور پھر عقلی وجوہ کا جس قدر ذخیرہ اب تک اس رسالہ میں جمع ہو چکا ہے ایک بصیرت والی آنکھ اور سماعت والے کان کے لیے کفایت سے بہت زائد ہے، اور ازلی بدبخت کا کوئی علاج نہیں۔

اَرْجُو أن یَنْفَعنی و المسلمینَ بہٖ وَ ھُو وَلِیُّ التوفیقِ وخیرُ الرفیق فی کل مضیق

(ختم نبوت: ص ۳۵۷ تا ۲۶۰)

شرائط نبوت

(۱) عقل کامل (۲) حفظ کامل
(۳) علم کامل (۴) عصمت کاملہ ومستمرہ

(۵) صداقت وامانت کاملہ (۶) عدیم توریث

(۷) زہد کامل (۸) حسب ونسب اعلیٰ ہو

(۹) مرد ہو (۱۰) اخلاق کاملہ

تلک عشرۃ کاملہ۔ان شرائط کا کا نبی میں ہونا ضروری ہیں۔اب آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، کون ان شرائط پر اترتا ہے،اور کون نہیں اترتا۔اور پھر خود ہی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ کون نبی تھا اور کون نبی نہیں۔

اللہ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے، ہر قسم ضلالت گمراہی، شہوات وشبہات کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور کل قیامت کے دن خاتم الانبیاء والمرسلین احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ ﷺ کی شفاعت اور آپ کے مبارک ہاتھ سے جام کوثر نصیب فرمائے۔اور اللہ ہمیشہ کے لیے ہم سے راضی ہو جائے۔آمین یارب العالمین!

❁ ❁ ❁

استاذ العلماء والقراء

حضرت مولانا قاری شریف احمد نوراللہ مرقدہٗ

حیات وخدمات

از: حافظ تنویر احمد شریفی
خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن، کراچی

متحدہ ہندوستان میں بعض علاقے بڑے مردم خیز ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ وہ علاقے ''علم دوست'' تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ جیسے نانوتہ، گنگوہ، سہارن پور، تھانہ بھون، کاندھلہ، لکھنو، دہلی وغیرہ۔ انھیں میں ایک قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر بھی ہے، جو مناظرِ اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمہ کی بابرکت شخصیت کی وجہ سے بہت معروف ہے، اس قصبے کو تاریخ کے ہر دور میں جید علما ومشائخ کے وجود نے شہرت بخشی۔ گذشتہ ساٹھ سالہ تاریخ میں حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ کی ذات ستودہ صفات نے قرآن کریم سے عشق، درس وتدریس کے شوق اور استقامت عمل سے اس کی عزت وشہرت میں اضافہ کیا ہے۔ افسوس کہ ہم ان بزرگ ہستی کو جنہیں کل تک ''مدظلہ العالی'' کہتے ہوئے مسرت محسوس کرتے تھے آج انہیں ''رحمہ اللہ'' اور ''قدس اللہ سرہ'' لکھ رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

پیدائش:

حضرت قاری صاحبؒ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حاجی نیاز احمد ابن حضرت پیر غلام محمدؒ ایک دین دار تاجر تھے۔ آپ کے دادا حضرت پیر غلام محمد رحمہ اللہ اپنے وقت کے شیخ اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔

تعلیم وتربیت:

حضرت قاری صاحبؒ کے والد محترم نے آپ کو کیرانہ کے مدرسہ تعلیم القرآن میں حضرت

حافظ رحمت اللہ کیرانویؒ کے سپرد کیا، آپ نے ان سے صرف دو سال کے عرصے میں شعبان المعظم ۱۳۴۶ھ/ فروری ۱۹۲۸ء میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ سترہ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ تراویح میں قرآن مجید سنایا۔

حفظ قرآن کے بعد آپ کے والد ماجد آپ کو دہلی لے آئے جو علم کا مرکز تھا۔ علم دین کے حصول کے لیے آپ کے والد نے انہیں مفتیِ اعظم حضرت العلامہ مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے سپرد کیا اور مدرسۂ امینیہ دہلی میں حضرت مفتی اعظم قدس اللہ سرہٗ کی نگرانی وسرپرستی میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ اسی زمانے میں تجوید کی مشق کے لیے حضرت قاری سید حامد حسینؒ کے پاس مدرسۂ عالیہ فتح پوری بھی جاتے رہے۔ ابھی انہوں نے کافیہ کی تکمیل تک درسیات سے فراغت پائی تھی کہ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل کرادیا گیا۔ دورانِ تعلیم وہ ایسے بیمار ہوئے کہ انھیں واپس دہلی آنا پڑا، صحت کے بعد انھیں مدرسۂ عالیہ فتح پوری میں داخل کرادیا گیا۔ یہاں حضرت قاری سید حامد حسینؒ سے استفادہ مزید آسان ہوگیا، جس کے لیے پہلے کئی میل کا پیدل سفر کرنا پڑتا تھا۔ مدرسۂ فتح پوری میں ان کے داخلے کی وجہ بھی شاید یہی تھی۔ فتح پوری کے تاریخی مدرسے میں انہوں نے موقوف علیہ (مشکوٰۃ شریف) تک تعلیم حاصل کی۔

دورۂ حدیث شریف کے لیے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل چلے گئے اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے بخاری شریف پڑھ کر ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۹ء میں سند الفراغ حاصل کی۔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں فارغ التحصیل ہونے والوں میں حضرت قاری صاحبؒ کا ۴۷۷واں نمبر ہے۔ (تاریخ جامعہ اسلامیہ: ص ۴۵۰، طبع ہند)

علم تجوید کی تکمیل کے لیے مدرسۂ فرقانیہ لکھنؤ تشریف لے گئے اور ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۵۸ھ/۲؍مئی ۱۹۲۹ء کو علم قرأت کی سند حضرت قاری عبدالمالکؒ سے حاصل کی۔

فن طب میں حضرت حکیم مختار حسن (۱) مرحوم (بارہ کھمبے والے، پہاڑ گنج) کی شاگردی اختیار کی۔

اساتذۂ کرام:

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے دور کے بلند پایہ علمائے دین اور ماہرین علوم وفنون سے استفادہ کیا تھا۔ وہ زندگی بھر اپنے اساتذہ کے شکرگزار اور ان کے لیے دعاگو رہے۔

(۱) حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ (سابق مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ بنوریؒ ٹاؤن) کے والد گرامی۔

تفصیل اس طرح ہے:

۱- حضرت حافظ رحمت اللہ کیرانوی
۲- حضرت مولانا قاری سید حامد حسین علی گڑھی
۳- حضرت مولانا قاری عبدالملک علی گڑھی
۴- مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی
۵- حضرت مولانا عبدالجلیل (دیوبند)
۶- حضرت مولانا سیّد فخر الحسن دیوبندی
۷- حضرت مولانا شریف اللہ خان
۸- حضرت مولانا عبدالرحمٰن خان پشاوری
۹- حضرت مولانا ولایت احمد سنبھلی
۱۰- حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن کاندھلوی
۱۱- حضرت مولانا قاضی سجاد حسین دہلوی
۱۲ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی
۱۳- حضرت مولانا سراج احمد رشیدی عرف بابا (تلمیذ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی)
۱۴- حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہوی (تلمیذ سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)
۱۵- شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی
۱۶- حضرت حکیم مختار حسن دہلوی

قدس اللہ اسرارہم

بیعت وارادت:

بیعت وارادت کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ سے ۱۹۴۶ء میں قایم کیا۔ تقسیم ہند کے بعد اسباق تصوف جاری تھے کہ حضرت شیخ مدنیؒ ۵/دسمبر ۱۹۵۷ء کو وفات پا گئے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین (فدائے ملت) حضرت مرشدی مولانا سیّد اسعد مدنی (نوراللہ مرقدہٗ) کے حکم سے شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قایم کیا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے ۱۳/شوال المکرّم ۱۳۸۲ھ/۱۰/مارچ ۱۹۶۳ء کو خلافت سے نوازا۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے تصوف کے سلسلے کو اپنے شیخؒ کی وفات تک آگے نہیں بڑھایا۔ کوئی بیعت ہونے آتا تو حضرت شیخ الحدیثؒ کے پاس بھیج دیتے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات کے بعد بیعت کرنا شروع کیا تھا، لیکن چند لوگوں کو ہی بیعت فرمایا۔

مدرسہ تعلیم القرآن شریفیہ:

تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے حفظ کے استاذ حضرت حافظ رحمت اللہ کیرانویؒ اور حضرت

مولانا قاری عبدالملکؒ کی نصیحت اور حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ کے حکم سے دہلی میں کوچۂ قابل عطار کی مسجد میں امامت اور حوض والی مسجد نئی سڑک دہلی میں تعلیم القرآن کی ذمے داری قبول فرمائی تھی۔ یہ سلسلہ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ/ جون ۱۹۳۹ء سے شروع ہوکر قیام پاکستان تک جاری رہا۔ اس درمیانی عرصے میں ۲۸ طلبا قرآن مجید مکمل پڑھ کر حافظ ہوئے۔ ناظرہ خوان اس کے علاوہ ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں پورے ملک میں بالخصوص دہلی میں زندگی ایسی تہ وبالا ہوئی کہ سارا نظام بگڑ گیا اور پچاسوں طلبا جو پڑھ رہے تھے ان کا شیرازہ ایسا بکھرا کہ پھر ان کو ایک نظام میں چلانا دشوار ہوگیا۔ اس وقت سے لے کر حضرت قاری صاحبؒ کی وفات تک جنہوں نے مکمل قرآن آپ سے حفظ کیا ان کی تعداد پونے تین سو کے قریب ہے۔

ان کے علاوہ مفسر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمیؒ (ہم عصر وہم سبق اور اوّلین شاگرد)، حضرت مولانا محمد سعید دہلویؒ (شیخ الحدیث مدرسۂ عبدالرب، دہلی)، حضرت مولانا قاضی نصیرالدین میرٹھی، حضرت مولانا محمد احمد قادری مدظلہٗ (رابطۂ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ، ابن حضرت حکیم مختار حسن خاں دہلویؒ)، حضرت مولانا محمد صدیق مدظلہٗ (فاضل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)، مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہٗ، حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہٗ، حضرت مولانا لیاقت علی شاہ نقش بندی، حضرت مولانا مفتی محمد اسرار مدظلہٗ اور مولانا محمد یوسف شمسی زادمجدہٗ نے تجوید وقرأت حضرت قاری صاحبؒ سے پڑھی۔

تقسیم ملک کے وقت آپ حج کے سفر پر تھے۔ واپسی پر کراچی کی بندرگاہ پر اترے۔ مسلم لیگ کے طرزِ سیاست اور اس کے ردعمل نے پنجاب سے لے کر دہلی، بہار اور بنگال تک قیامت برپا کردی تھی۔ معلوم ہوا کہ پہاڑ گنج کے باسی کراچی آگئے ہیں۔ حالات کے اسی ریلے میں حضرت قاری صاحبؒ کے بھائی اور والدہ محترمہ اور دیگر بھی کراچی پہنچ چکے تھے۔ افراتفری کے اس خلا میں کسی کو قرار نہ تھا، حالات سے کوئی مطمئن نہ تھا، تقریباً ڈھائی سال اسی عالم میں گذرے۔ اس زمانے میں قاری صاحبؒ نے کچھ عرصے تک تجارت بھی کی۔ کراچی سے مال لے جاکر دہلی اور دہلی سے کراچی لاکر بیچا کرتے تھے۔ اس تجارت میں آپ کے ایک شاگرد جناب حافظ محمد دین پراچہ (مرحوم) شامل تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ ایک جمعہ کراچی اور دوسرا دہلی میں پڑھتے تھے۔ حافظ صاحب ٹھیا لگا کر مال بیچتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خواہش تھی کہ تقسیم ملک کے بعد مدرسۂ عالیہ

فتح پوری دہلی میں تدریس کریں۔ اس کے لیے ضروری ہدایات حضرت شیخؒ نے مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کو دیں تھیں؛ لیکن حالات ایسے بگڑ چکے تھے کہ حضرت قاری صاحبؒ کو کراچی کی سکونت اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا، فتح پوری میں مولانا قاری محمد میاں دہلویؒ (خطیب اونچی مسجد، بلی ماران دہلی) کا تقرر ہوگیا۔

جب قدرے سکون واطمینان ہوا تو مدرسۂ تعلیم القرآن شریفیہ کا دکھنی مسجد، پاکستان چوک کراچی سے آغاز کیا۔ یہ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔ دکھنی مسجد میں یہ مدرسہ ۱۰/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ/ ۱۳/اگست ۱۹۸۹ء بیالیس سال تک رہا۔ جب دکھنی مسجد کی موجودہ تعمیر شروع ہوئی تو یہ مدرسہ پاکستان چوک ہی کے علاقے میں ایک مکان میں منتقل ہوگیا۔ اس کے بعد مدرسہ کے لیے ایک مستقل جگہ خریدی گئی، جس کا سنگ بنیاد حضرت شیخ الاسلامؒ کے جانشین صادق مرشدی حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی اطال اللہ عمرہ (استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے دستِ مبارک سے ۸/شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ/ ۶/فروری ۱۹۹۸ء بہ روز جمعہ صبح دس بجے رکھا گیا۔ الحمدللہ! مدرسہ میں اس وقت بچوں اور بچیوں کے لیے تعلیم القرآن کے الگ الگ شعبے قایم ہیں۔ دوصد کی قریب طلبا وطالبات زیرتعلیم ہیں۔ اللّٰھمَّ زِدْ فَزِدْ.

اس مدرسہ کے لیے عام چندہ نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی صاحب ازخود حصہ لینا چاہیں تو ان کی امداد سے انکار بھی نہیں کیا جاتا، اس معاملے حضرت قاری صاحبؒ کس درجے احتیاط فرماتے تھے؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حافظ عبدالرحمٰن صاحب مدظلہم (تلمیذ حضرت خلیفہ منشی محمد عاقل دیوبندیؒ، سابق استاذ شعبۂ فارسی دارالعلوم دیوبند) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک صاحب کو حضرت قاری صاحبؒ کے مدرسہ کی امداد کے لیے متوجہ کیا، مدرسہ کی عمارت ''قرآن منزل'' زیرتعمیر تھی، وہ صاحب ظہر کی نماز میں جامع مسجد سٹی اسٹیشن (کراچی) میں حضرت قاری صاحبؒ سے ملے اور ایک خطیر رقم پیش کی اور کہا کہ یہ آپ کے مدرسہ کے لیے ہے اور زکوٰۃ کی مد میں ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے وہ رقم یہ کہہ کر واپس کردی کہ ہمارے ہاں زکوٰۃ کی مد نہیں ہے۔ وہ صاحب واپس حافظ صاحب کے پاس گئے اور کہنے لگے: کون سے مولوی صاحب کے پاس بھیج دیا، انہوں نے رقم یہ کہہ کر واپس کردی؟ حضرت حافظ صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ حضرت قاری صاحبؒ نے پرانی تمام رسیدیں تلف کرائیں اور نئی رسیدیں چھپوائیں، جس پر یہ عبارت درج کرائی گئی:

''ہمارے ہاں صدقات واجبہ اور زکوٰۃ کی مد نہیں ہے''۔

امامت وخطابت:

دہلی میں کوچۂ قابل عطارا اور اس کے بعد حوض والی مسجد نئی سڑک میں امامت وخطابت فرمائی تھی۔ کراچی میں سکونت کے بعد بولٹن مارکیٹ کی میمن مسجد سے امامت کے لیے بلوایا گیا؛ لیکن اس کا انتظام بدعتیوں کے ہاتھ میں تھا اور پہلی دعا، دوسری دعا، سلام پڑھنا اور دیگر بدعات کی پابندی لازم تھی، جو فقۂ حنفی کیا، کسی بھی فقہ میں ثابت نہیں؛ اس لیے انکار کردیا۔ جامع مسجد سٹی اسٹیشن جو اس وقت ۱۹۵۰ء میں چھوٹی سی تھی، امامت وخطابت کی ذمے داری قبول فرمائی اور تاحیات یہ خدمت انجام دیتے رہے، جب اکثر بیمار رہنے لگے تو راقم الحروف کو اپنی جگہ مقرر کیا اور تربیت فرمانے لگے۔

تنظیم القراء والحفاظ:

۱۹۷۵ء میں ''تنظیم القراء والحفاظ'' قائم فرمائی، جس کا مقصد قرآن کریم کی نشر واشاعت اور مدرسہ تعلیم القرآن شریفیہ سے پڑھے ہوئے حفاظ کا جوڑ پیدا کرنا تھا۔ اس تنظیم کا باقاعدہ ماہانہ اجلاس ہوتا ہے، جس میں حفاظِ کرام شریک ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ (سابق مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوریؒ ٹاؤن) فرمایا کرتے تھے: حضرت قاری صاحبؒ نے حفاظ کی تنظیم کرکے ہمیں سبق دیا ہے کہ ہم بھی جامعہ کے طلبا کا جوڑ پیدا کریں۔

تصانیف:

تصنیف وتالیف کا شغف اکابر دیوبند اور اساتذۂ کرام سے ورثے میں ملا تھا، جو زندگی بھر باقی رہا۔ پاکستان بننے کے بعد اوقاتِ نماز کا نقشہ مرتب کرنے کے لیے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد صادق سندھی رحمہ اللہ جو سندھ اور بلوچستان میں تحریک شیخ الہندؒ کے معتمد رہنما تھے اور بڑے کارنامے انجام دیے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ساتھ جمعیت الانصار کے قیام سے تحریک کے نئے دور کے آغاز کے لیے انھیں بھی دیوبند بلایا تھا۔ جمعیت علمائے ہند کے قیام کے بعد سندھ میں وہی پہلے رہنما اور سربرآوردہ شخصیت تھے۔ سب سے پہلے ان ہی کی تحریک پر حضرت قاری صاحبؒ نے اوقاتِ نماز کا نقشہ مرتب کیا تھا، جس کی تکمیل میں پورے دو سال لگے

تھے، کیوں کہ یہ نقشہ مشاہدے اور تجربات کی بنیاد پر مرتب ہوا۔ شہر کراچی میں بلاتفریق مسلک یہی نقشہ مساجد میں آویزاں تھا(۱)۔ دارالعلوم امجدیہ (بریلوی مسلک) اور دارالعلوم کراچی کا مرتبہ نقشہ دراصل اسی کی نقل ہے، اس نقشے کو حضرت مولانا محمد صادق سندھی، حضرت مولانا فضل اللہ شکارپوری (خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامت)، مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع عثمانی، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری، مفسر قرآن خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی، مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمہم اللہ جیسے اصحاب فضل وکمال کی تائید وتوثیق حاصل تھی۔

کراچی کے ایک عالم دین حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مرحوم نے ایک عرصے کے بعد حضرت قاری صاحبؒ اور حضرت حاجی وجیہ الدین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مرتب کردہ نقشوں پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ ان کی تحقیق یہ سامنے آئی کہ فجر (صبح صادق) مذکورہ بالا نقشے میں مقرر ومتعین وقت سے دس تا پندرہ منٹ بعد ہوتی ہے اور عشا کا وقت دس بارہ منٹ پہلے شروع ہوجاتا ہے۔ اس پر اہل علم میں ایک عرصے تک خوب بحثیں چلیں اور خصوصاً رمضان المبارک میں یہ مسئلہ کھڑا کرایا جاتا۔ اخبارات کے مراسلے اسی مسئلے سے بھرے ہوئے ہوتے؛ لیکن حضرت مفتی اعظم پاکستانؒ اور حضرت محدث العصرؒ نے مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کی تحقیق جدید پر صاد کیا تو حضرت قاری صاحبؒ نے اس بحث کو طول دینا مناسب نہ سمجھا اور نقشے کی اشاعت کو روک دیا۔

حضرت قاری صاحبؒ نے اس دینی خدمت کے ایک پہلو کو اپنی زندگی میں نمایاں نہیں ہونے دیا تھا؛ لیکن حضرتؒ کی رحلت کے بعد اس کے منکشف کردینے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے۔ اس مرحلے میں حضرت قاری صاحبؒ نے فیصلہ کیا کہ یہ مسئلہ اخبارات میں بحث کے ذریعے طے کرنے کے بجائے مناسب ہوگا کہ عملاً اس کا تجربہ دیدۂ روشن سے اس کا مشاہدہ کرادیا جائے تاکہ حقیقت سے کسی کے گریز کی کوئی گنجایش باقی نہ رہے۔ اس کے لیے انہوں نے مشہور ماہر فلکیات حضرت پروفیسر عبداللطیف مدظلہم کو آمادہ کیا کہ اکابر وقت کو صبح صادق کا مشاہدہ کرایا جائے۔ موصوف نے ۱۹۷۳ء میں اس کا اہتمام کیا اور سپر ہائی وے پر گڈاپ کے قریب، میرپور ساکرو، جنبھان سومرونز ڈنڈ ومحمد خان اور مدینۂ منورہ میں مشاہدے کرائے۔ مفتی صاحبؒ کا کہنا تھا کہ آج تک پاک وہند اور پوری دنیا میں جو اوقات نماز کے نقشے ہیں ان میں صبح صادق اور عشا کا

(۱) کہیں کہیں حضرت حاجی وجیہ الدینؒ کا نقشہ بھی ہوتا تھا۔ (شریفی)

وقت غلط ہے؛ اس لیے مدینۂ طیبہ میں بھی مشاہدہ کیا گیا۔ ان مشاہدات میں حافظ عبدالرشید سورتی (تلمیذ حضرت قاری صاحبؒ)، جناب محمد یامین (مکی مسجد)، جناب محمد رفیق، مولانا مفتی محمد شاہد، ماسٹر محمد رفیق، جناب محمد علی، مولانا عبدالقیوم، حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنی مدظلہٗ، حاجی محمد امین (مکی مسجد)، حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہٗ، مولانا قاری مفتاح اللہ مدظلہٗ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ولی حسن ٹونکیؒ، جناب عبدالستارؒ پین والے، جناب انوار محمد (گورنمنٹ کالج ناظم آباد)، جناب محمد شمیم، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہٗ، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ، مولانا بشیر احمد (میسور، انڈیا) وغیرہ شریک رہے۔ پروفیسر صاحب مدظلہم کو ان مشاہدات کو کرانے میں تین سال لگے۔

ان مشاہدات کے بعد حضرت مفتی اعظم پاکستانؒ اور حضرت محدث العصرؒ نے مفتی (رشید احمد لدھیانوی) صاحبؒ کی تحقیق جدید سے رجوع کرلیا۔ یہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حسنات میں اہم ترین نیکی ہے، جس کی وجہ سے روزے اور نمازیں درست سمت کی طرف واپس آگئیں۔

تفصیل کے لیے دیکھئے: حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرتب کردہ ''شرعی دائمی جنتری'' اور پروفیسر عبداللطیف مدظلہم کی کتاب ''صبح صادق وصبح کاذب''۔

دونوں بزرگوں کے رجوع کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے نقشہ کی اشاعت دوبارہ شروع کردی۔ بحمداللہ آج بھی اس کی اشاعت ہورہی ہے اور مساجد کے لیے فی سبیل اللہ وہ نقشہ دیا جاتا ہے۔

حیدرآباد سندھ کے احباب نے بھی حضرت قاری صاحبؒ سے حیدرآباد کا نقشہ مرتب کرایا تھا، جو وہاں چھپ بھی گیا تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ کی تقریباً تین درجن سے زاید تالیفات دینی موضوعات پر نہایت مفید وموثر شائع ہوچکی ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

☆ **قرآنیات**:

۱- ''تاریخ قرآن''۔ اس میں تاریخ نزول قرآن، اعجاز قرآن، جمع وتدوین قرآن، حفاظت قرآن اور اس کے مختلف ذرائع، اشاعتِ قرآن، تاثیرِ قرآن، فضائلِ قرآن، آدابِ تلاوتِ قرآن انتہائی اہم موضوعات ہیں۔ اس کی تکمیل حضرت قاری صاحبؒ نے

۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ/ ۹ ستمبر ۱۹۷۷ء بہ روز جمعہ نزول قرآن کی یادگار شب میں فرمائی۔ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں راقم الحروف نے اس پر نظر ثانی اور اضافہ کیا۔ ان اضافوں میں علمائے دیوبند کی تجوید میں تدریسی خدمات، فن تجوید میں علمائے دیوبند کی تصنیفی خدمات، علمائے دیوبند میں فن تجوید وقرأت کے ماہر، علمائے دیوبند اور ترجمۂ قرآن کریم، علمائے دیوبند اور تفاسیر قرآن، کتب تفاسیر کے تراجم، اصول تفسیر وعلوم القرآن میں علمائے دیوبند کی خدمات جیسے عنوانات وابواب شامل ہیں۔

۲- ''قرآن کی فضیلت وعظمت''۔ اس میں قرآن کریم کے حفظ کی فضیلت، قرآن پڑھنے کے بعد اس کے یاد رکھنے کی فضیلت دل نشین انداز میں تحریر فرمائی ہیں۔ یہ رسالہ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں تالیف فرمایا۔

۳- ''آسان نورانی قاعدہ''۔ اس کی ترتیب ایسی آسان ہے کہ ایک مرتبہ اس کو کسی استاذ سے پڑھ لیا جائے تو قرآن مجید پڑھنا آسان ہوجاتا ہے۔

۴- ''یسرنا القرآن''۔ یہ قاعدہ حضرت قاری صاحبؒ نے اس زمانے میں مرتب فرمایا تھا، جب ''مکتبۂ رشیدیہ'' قائم نہیں ہوا تھا۔ یہ سب سے پہلے حافظ عبدالمنان تھانویؒ نے شائع کیا تھا۔

☆ **حدیثیات**:

۵- ''چہل حدیث اوران کی تشریح''۔ اس میں چالیس احادیث مبارکہ جو انتہائی اہم امور پر ہیں جمع فرمائی ہیں، بہت سے اسکول ومدارس میں شامل نصاب ہے۔

☆ **ارکانِ اسلام**:

۶- ''ترغیب الصلوٰۃ''۔ اس مختصر مگر اہم رسالے میں نماز کے فوائد، نہ پڑھنے پر وعیدیں جمع کی گئی ہیں۔

۷- ''نماز کی کتاب''۔ احکام ومسائل پر مشتمل۔

۸- ''نماز مترجم''۔ اسلام کے کلمے، اذان، وضو اور طریقۂ نماز مع مسنون دعائیں۔ اس رسالے کا گجراتی ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

۹- ''جنت کی کنجی''۔ نماز سے متعلق مسایل۔

۱۰- ''شرعی دائمی جنتری''۔ نماز کے اوقات (کراچی کے لیے) اس کے اہم مسائل اور محکمۂ موسمیات وعلمائے کرام کی تصدیقات۔

۱۱- ''اوقاتِ نماز'' (حیدرآباد سندھ کے لیے)

۱۲- ''تحفۃ الصیام''۔ اس میں روزے کی تاریخ، دیگر امتوں کا روزے سے تعلق، روزے کی فضیلت، روزے دار کی فضیلت، روزہ رکھنے کی فضیلت، نہ رکھنے پر وعیدیں، ان سب کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۱۳- ''فضائل الشہور والایام''۔ اس میں بارہ مہینوں کے فضائل، دِنوں کے فضائل اور ان میں کیے جانے والے اعمال جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں، وہ ذکر فرمائے ہیں۔ تحفۃ الصیام اور فضائل الشہور والایام ایک ہی جلد میں دستیاب ہیں۔

۱۴- ''اسلام کا نظام زکوٰۃ'' (دو حصے) اس میں نظام زکوٰۃ وعشر پر انتہائی عام فہم انداز میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۵- ''معین الحجاج'' (تین حصے) پہلے حصے میں ضروری ہدایات، دوسرے میں مسائل حج انتہائی آسان انداز میں، تیسرے حصے میں مدینۂ منورہ اور مسجد نبوی کی فضیلت، روضۂ اطہر پر حاضری کے آداب ومسائل بیان کیے گئے ہیں۔

۱۶- ''معلومات حج''۔ یہ بھی حج کے مسائل پر تھی، جب ''معین الحجاج'' تالیف فرمائی تو اس کی اشاعت کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

۱۷- ''طریقۂ حج''۔ یہ کتاب مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ حج کے مسائل کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ کم فرصت اور کم پڑھے لکھے زائرین کی سہولت کے لیے لکھی گئی۔ اس کتاب کا گجراتی اور سندھی میں ترجمہ بھی ہوا ہے۔

۱۸- ''طریقۂ عمرہ''۔ عمرے کے مسائل پر مختصر، مگر جامع کتاب ہے۔ اس کا بھی گجراتی اور سندھی میں ترجمہ ہوا ہے۔

☆ **سیرت وسوانح:**

۱۹- ''ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم''۔ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات ولادت سے نبوت تک بیان کیے گئے ہیں۔

۲۰- ''معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم''۔ حضور علیہ السلام کا سفرِ معراج اور اس میں پیش آنے والے واقعات سبق آموز انداز میں بیان کیے ہیں۔

۲۱- ''سفر ہجرت کا حکم اور یارِ غار''۔

☆ **تاریخ و تذکرہ:**

۲۲- ''تاریخ حرمین شریفین'' (دو حصے) اس میں حرمین شریفین کے فضائل اور تاریخ بیان کی گئی ہے۔حجاج کرام کے لیے بہترین تحفہ ہے۔

۲۳- ''تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام'' (دوجلد میں) اس میں ۲۸ جلیل القدر انبیائے کرام کا تذکرہ ہے، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔اسرائیلی روایات سے پاک ہے۔

۲۴- ''تذکرۂ سیدنا حضرت عمرؓ''۔حالات زندگی اور خلافتی دور کے کمالات اور امورِ مملکت کی انجام دہی کا ذکر ہے۔

۲۵- ''تذکرۂ سیدنا حضرت عثمانؓ''۔حالات زندگی اور خلافتی دور کے کمالات اور امور مملکت کی انجام دہی کا ذکر ہے۔

۲۶- ''مقام شیخ الاسلامؒ''۔شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مقام ومرتبے پر ایک کتاب جو مکمل نہیں ہوسکی، مسودے کی صورت میں ہے۔

☆ **فضائل:**

۲۷- ''فضیلت شعبان وشب برأت''۔۱۵/شعبان المعظم کی فضیلت وعظمت اور صحابہؓ کے اقوال ومعمولات ذکر کیے گئے ہیں۔

۲۸- ''فضائل ومسائل ماہ رمضان المبارک''۔

۲۹- ''رمضان المبارک کا آخری عشرہ''۔

☆ **حقوق:**

۳۰- ''اسلام اور حقوق والدین''۔اولاد کو مخاطب بنا کر انھیں بتلایا ہے کہ ان پر والدین کے کس قدر حقوق ہیں؟ ان کی خدمت پر کیا اجر ملتا ہے؟ ان کی نافرمانی سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کتنے ناراض ہوتے ہیں؟

۳۱- ''والدین پر اولاد کے حقوق''۔والدین کو مخاطب بنا کر انھیں بتلایا ہے کہ آپ صرف یہی نہ سوچیں کہ اولاد پر ہمارے حقوق ہیں؛ کیوں کہ آپ کے ذمے بھی اولاد کے حقوق شریعت نے بتلائے ہیں۔

☆ **عمومی دینیات:**

۳۲- ''معلم الدین''۔یہ حضرت قاری صاحبؒ کی پہلی تالیف ہے۔ابتدائی دینیات کی تفہیم کے

لیے بے نظیر ہے اور انتہائی آسان بھی ہے۔ یہ کتاب سندھی، پنجابی، پشتو، فارسی اور انگریزی میں بھی شایع ہوئی ہے۔

۳۳- ''تعلیم النساء''۔اس میں عورتوں کی اصلاح کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ان کے مسائل نہایت سہل انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔اس کتاب کا سندھی، فارسی اور براہوئی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔

۳۴- ''بچوں کے اسلامی اور اچھے نام''۔

۳۵- ''مسنون ومقبول دعائیں''۔یہ صبح وشام پڑھی جانے والی مسنون دعاؤں کا مجموعہ ہے۔

۳۶- ''توشۂ نجات''۔نفل نمازوں کے فضائل اور ان کے پڑھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

۳۷- ''قنوتِ نازلہ، احکام ومسائل''۔

۳۸- ''تعلیماتِ اسلام''(دو حصے)۔سوال وجواب کی صورت میں طہارت کے مسائل اور نماز کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

۳۹- ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر''۔اچھائی کا پھیلانا اور برائی کا روکنا اور اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

۴۰- ''راہ نجات''(تین حصے)۔موت سے پہلے، موت کے وقت اور موت کے بعد کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

۴۱- اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد ابراہیم دہلویؒ کی کتاب ''احوالُ الصادقۃ فی اخبارِ الآخرۃ معروف بہ قیامت کا سچا فوٹو'' کی نظر ثانی اور اضافہ بھی فرمایا ہے۔

۴۲- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ''دین کی باتیں'' کی تخریج بہشتی زیور سے فرمائی جو ''خلاصۂ بہشتی زیور'' کے نام سے شایع ہوتی ہے۔

۴۳- رسالۂ ''الابقاء'' جس میں حضرت تھانویؒ کے مواعظ شائع ہوتے تھے، ان میں جو فارسی اشعار آتے تھے ان کا ترجمہ حضرت قاری صاحبؒ کے قلم سے ہوتا تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ کی نصف درجن کتابیں جو اگرچہ اپنی ضخامت میں مختصر ہیں؛ لیکن افادیت اور تاثیر میں بے مثال اور ایسی مقبول عام ہوئیں کہ ان کے نہ صرف بیسیوں ایڈیشن چھپ چکے ہیں؛ بلکہ اردو کے علاوہ سندھی، پنجابی، پشتو ملکی زبانوں میں اور فارسی وانگریزی غیر ملکی زبانوں کے تین، چار اور پانچ زبانوں میں ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

خدمات کا ایک اہم گوشہ:

حضرت قاری صاحبؒ کی خدمات کے کئی اور پہلو بھی ہیں، ان میں ایک اہم موضوع ''مجلس یادگارِ شیخ الاسلامؒ -(پاکستان) کراچی'' کا قیام اور اس کے تحت علمی منصوبوں کی تکمیل کی سرپرستی، انھیں کا کارنامہ ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ کی سرپرستی، رہنمائی اور ہمت افزائی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی ایسے کاموں کی تکمیل کی عزت بخشی جو ابھی تک کوئی دوسرا ادارہ انجام نہ دے سکا تھا۔ اس میں محترم ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری زادمجدہٗ نے اپنی خدمات بھی پیش فرمائیں اور کئی منصوبے پایۂ تکمیل تک بحمداللہ پہنچے۔ یہ ایک طویل موضوع ہے، جس کے تعارف وتبصرے کا نہ وقت ہے اور نہ مضمون میں گنجائش ہے۔ ''تذکرۃ الشریف'' کے نئے ایڈیشن میں ان شاء اللہ العزیز یہ سب تفصیل کے ساتھ آئیں گے، سردست صرف ان چند کاموں کی طرف اشارہ ہی کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے کی پہلی کتاب ''شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ - ایک سیاسی مطالعہ''، دوسری کتاب بھی اسی نوعیت کی ''شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندیؒ - ایک سیاسی مطالعہ''، ''مناقب شیخ الاسلامؒ''، علمائے ہند کا سیاسی موقف''، ''براعظم ہند پاکستان کی شرعی حیثیت''، ''علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے''، (جلد اول) کی تدوین، ''مکتوبات شیخ الاسلامؒ'' (چار حصے)، ''مکتوبات شیخ الاسلامؒ-سلوک طریقت''، ''معارفِ مدنیہ'' (تین جلدیں) ''تذکرۂ شیخ الہندؒ'' (از حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ) اور اس سلسلے کی دوسری ترتیبات وتدوینات کے علاوہ مجلس یادگار شیخ الاسلام کی مطبوعات اور حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی سرپرستی کا حاصل حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی ''سیاسی ڈائری'' ہے، جو آٹھ جلدوں اور سات ہزار صفحات پر محیط ہے۔

اس سلسلے کی دیگر شخصیات کے بارے میں بعض اور اہم کام بھی ہیں جو مکتبۂ رشیدیہ کراچی اور بعض بیرون کراچی کے دوسرے اداروں نے شایع کیے ہیں، جن کے ذکر کا یہ محل نہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے والہانہ تعلق:

حضرت قاری صاحبؒ اگرچہ ''قاسمی'' نہیں تھے؛ لیکن دارالعلوم دیوبند سے اپنے تعلق کو ہمیشہ سعادت سمجھتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ کے زمانۂ صدارت

اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ کے زمانۂ اہتمام سے دارالعلوم کے پاکستان میں نمائندے اور خزانچی تھے۔ ۲۶ر مارچ ۱۹۵۴ء کا ایک گرامی نامہ حضرت حکیم الاسلامؒ کا حضرت قاری صاحبؒ کے نام ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:

''دارالعلوم کی خدمت جناب نے منظور فرمائی، ہم خدام دارالعلوم اس کے ممنون اور شکر گزار ہیں''۔

۱۲ر مئی ۱۹۵۴ء کے گرامی نامے میں حضرت حکیم الاسلامؒ تحریر فرماتے ہیں:

''چندۂ دارالعلوم کے سلسلے میں مستقلاً معتمد جناب کی ذات ہے۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کا نام محض انتساب کے لیے رکھا گیا؛ تاکہ رجوع زیادہ ہو، ورنہ اصل معتمد علیہ جناب ہیں؛ اس لیے اطراف ملک میں جب کوئی دارالعلوم میں رقم دینے کے لیے پتہ دریافت کرتا ہے تو آں جناب کا پتہ لکھا جاتا ہے''۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد بھی دارالعلوم سے والہانہ تعلق رہا، اس کے لیے میں نے ایک مستقل مضمون ''حضرت مولانا قاری شریف احمد نور اللہ مرقدہٗ اور دارالعلوم دیوبند'' کے عنوان سے لکھا ہے، تفصیل اس میں موجود ہے۔

پاکستان میں دیوبندی مسلک کے تمام مدارس گویا دارالعلوم دیوبند کی شاخیں ہیں۔ جامعہ مدنیہ لاہور، حضرت قاری صاحبؒ کے مرشد ثانی شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ اس کے قیام کے اول دن سے قاری صاحب کا بہت قریبی تعلق رہا۔ جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ کی شوریٰ کے وہ اولِ روز سے رکن رہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کے ایک ہی صاحب زادے محترم حافظ رشید احمد صاحب ہیں، جو حضرت قاری صاحبؒ کی کتابوں کی اشاعت اور جن بزرگوں کی دینی خدمات کی اشاعت کا بیڑا حضرت قاری صاحبؒ نے اٹھایا تھا، اس کے امین ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کو جو امانت شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاںؒ سے ملی تھی، وہ ان کے انتقال کے بعد حضرتؒ نے ان کے داماد کے سپرد کی۔ اس طرح آپ کے خلیفہ ومجاز حضرت مولانا نعیم الدین مدظلہم (مدرس جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور) ہیں۔

علالت وانتقال:

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ گذشتہ تقریباً پانچ سال سے علیل تھے۔ پہلے فالج کا حملہ

ہوا، اس کے بعد کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی، اس کا آپریشن ہوا، گھٹنوں نے کام کرنا چھوڑ دیا؛ لیکن اس کے باوجود مدرسہ جانے کے لیے بے چین رہتے، کرسی پر لے جایا جاتا۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو گھر پر ہی چند بچوں کو بلایا جاتا اور وہیں لیٹے لیٹے ان کا قرآن سنتے۔

قرآن کریم کو اپنا اول وآخر بنانے والی ہستی اللہ کے قانون اٹل کے مطابق ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ/ ۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء بہ روز اتوار تین بجے سہ پہر کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

اللہ کی شان ہے اور یہ حضرت قاری صاحبؒ کی کرامت بھی ہے کہ انتہائی مختصر وقت میں غسل، تکفین، نماز جنازہ اور تدفین ہوگئی۔ ساڑھے سات گھنٹے میں تدفین ہوگئی۔ بہ قول حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف غزنوی مدظلہم: اتنے مختصر وقت میں اتنے لوگوں اور علما کا جمع ہوجانا حضرت قاری صاحبؒ کے مقبول بارگاہِ الٰہی ہونے کی علامت ہے۔

جہاں آپ خطیب وامام تھے اسی مسجد میں عشا کی نماز کے بعد جنازے کی نماز ادا کی گئی۔ انجمن مسلمانان پنجاب (میوہ شاہ) قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ آپ کے حسنات کو قبول فرمائے، خدمتِ قرآن کی برکات ہمیشہ جاری رکھے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے! ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے! (آمین)

اہل علم کی آرار:

حضرت قاری صاحبؒ کی خدمات پر آپ کے استاذ محترم اور شیخ طریقت کے علاوہ دیگر اہل علم نے بھی خراج تحسین پیش کیا ہے، ذیل میں ان میں سے چند کے اقتباسات نقل کیے جارہے ہیں:

آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا قاضی سجاد حسین دہلویؒ فرماتے ہیں:

''تذکرۃ الانبیار مصنفہ عزیز مکرم جناب مولانا قاری شریف احمد صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ کا سرسری مطالعہ کیا، طبیعت مسرور ہوئی، عبارت شگفتہ اور عام فہم ہے''۔

آپ کے پیر ومرشد (ثانی) حضرت مولانا سید حامد میاںؒ فرماتے ہیں:

''حضرت قاری صاحب مدظلہم کی تمام ہی تصانیف کو قبول عام حاصل ہوا ہے''۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

''اہم بات یہ ہے کہ مولانا قاری شریف احمد صاحب نے ان مسائل (معین الحجاج) کی تحریر میں بہت احتیاط برتی ہے۔ مزید یہ کہ طباعت سے پہلے یہ کتاب ایک جید عالم دین (مفتی

محمد اکملؒ) کو بھی دکھالی، جو یقیناً ان کی بے نفسی، انابت اور خلوص کی قابل تقلید مثال ہے''۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں:

''مولانا قاری شریف احمد (خطیب جامع مسجد ریلوے سٹی اسٹیشن و معلم قرآن دکھنی مسجد پاکستان چوک کراچی) کو حق تعالیٰ نے قرآن کی تعلیم و تعلّم کا خاص شغف اور جذبہ عطا فرمایا ہے۔ ان کا رات دن کا مشغلہ قرآن حکیم کی خدمت ہے۔ ساتھ ہی انھیں دینی قلم بھی بخشا ہے اور وہ مختلف دینی رسائل کے مصنف بھی ہیں''۔

ایک اور جگہ حضرت حکیم الاسلامؒ فرماتے ہیں:

''رسالہ کے مستند ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ مولانا قاری شریف احمد صاحب کی تالیف ہے۔ مولانا ممدوح فاضل ڈابھیل ہونے کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر تقویٰ وطہارت اور پارسائی کے جوہروں سے آراستہ ہیں، جو تالیف کی مقبولیت کی حقیقی علامت ہے''۔

مؤرخ ملت حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ حضرت قاری صاحبؒ کی تالیف ''معلم الدین'' کے متعلق فرماتے ہیں:

''دینی اور روحانی ترقی کے لیے یہ کتاب ''مرشد کامل'' اور ''شیخ طریقت'' کا کام دیتی ہے''۔

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ فرماتے ہیں:

''میرے عزیز دوست اور واجب الاحترام عالم قاری شریف احمد صاحب خطیب ﷺ ایک متقی اور جید عالم اور جید قاری ہیں۔ مسلمانوں کی عام دینی ضرورت کے پیش نظر قاری صاحب موصوف نے ایک رسالہ ''معلم الدین'' مرتب فرمایا ہے، جس میں اسلام کی ابتدائی ضروریات سے لے کر تکمیلِ اسلام تک تمام مسائل نہایت صحیح اور معتبر کتابوں سے جمع کیے ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''دین اسلام کی ترقی واشاعت کے لیے اپنے دل میں غیر معمولی جذبہ رکھتے ہیں۔ اسی جذبے کے تحت موصوف نے اسلام کی اساسی تعلیمات اور بنیادی ارکان سے متعلق متعدد کتابیں آسان اور سلیس اردو زبان میں تالیف فرمائی ہیں، جو بے حد مفید اور جامع ہیں''۔

یہاں صرف چیدہ چیدہ آراء پیش کی گئیں ہیں۔ تفصیل کے لیے ''تذکرۃ الشریف'' ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

❁ ❁ ❁

فضلائے کرام کی خدمت میں چند گزارشات

از: احمد معاویہ اشرفی

خوشیوں اور مسرتوں کا قوس قزح ہر سو اپنا رنگ بکھیر رہا ہے۔ غم وسرور کی ملی جلی کیفیت عجب سماں باندھ رہی ہے۔ خوشی اس دستارِ فضیلت کی، جو برسوں کی محنت شاقہ کا انعام ہے۔ دکھ اس فرقت وجدائی کا، جو کامل آٹھ برس مدرسے کی روح پرور صحبت ومجالست کے بعد، اب طالب جان کو سہنا پڑ رہی ہے۔ یقیناً دورانِ تعلیم بادِ مخالف کے تھپیڑوں نے کبھی اس کے ارادوں کو مضمحل کیا ہوگا، کبھی ہمت وحوصلہ کی ناؤ بیچ منجدھار ہچکولے کھا گئی ہوگی؛ مگر یہ طالبِ علم دین ڈٹا رہا۔ اس کی نظر اپنے مقصد ومشن سے ہٹی نہیں۔ سو آج اس کی یہ ریاضت رنگ لے آئی، رب کریم کی عنایتوں نے اسے اپنے جلو میں لے لیا اور مشائخ واساتذہ کے مبارک ہاتھوں اس کے سر پر وراثت نبوت کا تمغہ سجا دیا گیا۔ قابلِ صد تحسین وتبریک ہیں کل کے طلبہ جو آج علما کی صف میں شامل ہو چکے ہیں۔ کل کے متعلّمِ علوم نبوت جو آج معلّم انسانیت ﷺ کے نائب وجانشین بن چکے ہیں۔

گمراہیوں، ضلالتوں اور فتنوں کے اس تاریک دور میں جہاں ہر طرف ایمان کے راہزن موجود ہیں، وہاں آپ کا فاتحۂ فراغت پڑھنا بے شک سعادت وافتخار سے کم نہیں۔ اس نعمت کے حصول پر جتنا بھی خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ کتاب وسنت کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ موجودہ وقت، توحید پرستوں کی آزمائش وابتلاء کا سب سے کٹھن دور ہے۔ دشمنانِ اسلام نے فکری، عسکری اور معاشرتی یلغار کر کے مسلمانوں سے روحِ بلالی نکالنے کی بھرپور کوشش کر ڈالی ہے۔ اسلام اور شعائرِ اسلام کی تضحیک وتوہین کو معاذ اللہ عام کیا جا رہا ہے۔ اہلِ ایمان کی غیرت وحمیت کا جنازہ نکالنے کی نت نئی ترکیبیں خوب جوبن پر ہیں۔ ان حالات میں آپ کی ذمہ داری دوچند ہو چکی ہے۔ جھوٹ، دجل اور باطل کے ہرکارے تمام تر کیل کانٹوں سے لیس ہو کر میدان کارزار میں

اتر چکے ہیں۔ ایسے میں حق وصداقت کے پروانوں پر لازم ہے کہ وہ بھی وقت کی نزاکتوں کا ادراک کر کے طاغوت کے خلاف کمر بستہ ہو جائیں۔ غفلت وتکاسل اور بے اعتنائی کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہ دیں۔ تعلق مع اللہ، فکر آخرت اور اتباعِ سنت کی فکر ہر دم اپنے اوپر سوار کر لیں۔

ابتدا کہاں سے ہو؟ یہ سفر شروع کہاں سے کیا جائے؟ نشانِ منزل کا تعیّن کس جانب سے ہو؟ اس کا جواب بہت آسان اور واضح ہے۔ اولاً ہم اپنی ذات میں جھانکیں، اپنے علم وعمل کا محاسبہ کریں اور اپنے نفس کی خبر لیں۔ خود احتسابی وخود آگاہی کی یہ امنگ اور فکر جتنی گہری ہوگی، اسی قدر قدرت کی طرف سے ہمارے لیے کامیابی وکامرانی اور رشد وہدایت کے راستے وا ہوں گے۔ حسنِ نیت، دین کی خدمت کا مصمّم عزم اور بے لوث قربانی ادا کرنے کا تہیہ، یہ وہ کلیدی اکائیاں ہیں، جن سے ہمارے فضلائے کرام دعوتِ دین، حفاظتِ دین اور تبلیغِ دین کی عمارت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

شیطان کے چیلوں کی ہمہ جہت یلغار کا توڑ اسی صورت ممکن ہو سکے گا، جب ہر میدان میں حق کے علمبردار باطل کے آگے سینہ سپر ہوں۔ خدمتِ دین کے شعبے اور دائرہ کار مختلف ہیں۔ ہر شعبہ اپنی جگہ توجہ اور اہمیت کا متقاضی ہے۔ حق تعالیٰ نے انسانی فطرت ومزاج کو بھی یکساں نہیں رکھا۔ ہر شخص دوسرے سے مختلف طبیعت ومذاق رکھتا ہے۔ یہ فطری تقسیم واصول اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد کرنے والے افراد، اداروں اور جماعتوں پر بھی پوری طرح لاگو ہوتی ہے۔ بس کامیابی کی شرط یہ ہے کہ دوسروں کی تحقیر اور اپنے طریقہ کار پہ اصرار نہ ہو؛ بلکہ تعاون وتناصر اور باہم محبت والفت کا ایسا مظاہرہ ہو کہ بقول حضرت علی میاں رحمہ اللہ: ''ہمیں تو دوسری دینی کوششوں اور ان کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے بہت سے لوگوں کو سنبھال رکھا ہے، جو ہماری گرفت میں نہیں آسکتے تھے۔'' فارغ التحصیل علماء کرام بھی اس قانونِ فطرت سے خارج نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دور، اختصاص کا دور ہے۔ یعنی ہر آدمی اپنے فن میں لیاقت وصلاحیت کا ملکہ پیدا کرے؛ لہٰذا اپنے ذوق ومناسبت اور دستیاب وسائل واسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے، اساتذہ واکابر کی مشاورت وسرپرستی میں جس میدان کا انتخاب کریں، اُس میں پوری طرح لگ جائیں۔ یاد رکھیے! حق بات، حق طریقے سے حق موقع پر کہی جائے تو ضرور اپنا اثر چھوڑتی ہے۔

ہماری دینی محنتوں اور ایمانی کاوشوں کا رنگ معاشرے اور ماحول پر اسی وقت نظر آئے گا، جب ہمارے باطن تزکیہ کی محنت سے مصفّٰی ہوں گے۔ مادیت کی چکاچوند نے اگرچہ دورِ حاضر کے انسان کی بصارت کو خیرہ کر رکھا ہے؛ مگر اس کی بصیرت اتنی ہی ویران، اجاڑ اور کھنڈرات کا منظر

پیش کرتی دکھائی دیتی ہے۔ سکونِ قلب کی دولت صرف اللہ والوں کے در پر ملا کرتی ہے۔ معرفتِ حق ایک عالم اور نوآموز فاضل کے لیے کس قدر اہمیت رکھتی ہے؟ علم ظاہری کو علمِ باطنی سے کس قدر تعلق ہے؟ اس کا جواب ہمارے استاذ محترم کی زبانی سنیے۔ فرماتے ہیں: ''ایک ہے ایمان اور ایک ہے ایمان کی حلاوت، یہ دونوں بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایک ہیں اعمال اور ایک ہے اعمال کا نور یہ دونوں بھی بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایک ہے علم اور ایک ہے اُس علم کی نافعیت، یہ دونوں قطعاً الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہ دونوں اکٹھی اسی صورت میں ہوسکتی ہیں، جب صاحبِ علم وہ صاحبِ حلم بھی ہو، صاحبِ عقل وہ صاحبِ فکر بھی ہو اور صاحبِ فکر صاحبِ نظر بھی ہو۔ تب یہ اکٹھی ہوسکتی ہیں۔ ورنہ یہ دونوں قطعاً الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایمان بالکل الگ چیز ہے اور ایمان کی حلاوت نصیب ہوجانا یہ بڑے مرتبے کی چیز ہے۔ ایمان جب نصیب ہوتا ہے تو مسلماں کو نجات مل سکتی ہے؛ لیکن عروج اسی وقت ملے گا دنیا میں اور مقام اسی وقت ملے گا اعلیٰ علیین آخرت میں، جب ایمان کی حلاوت نصیب ہو۔''

آخری گزارش یہ ہے کہ اب جب کہ آپ عملی زندگی میں قدم رکھنے کے لیے پرتول رہے ہیں، اسلاف واکابر سے محبت وعشق کو اپنا زادِ راہ ضرور بنائیے۔ اس پرفتن زمانے میں، جب ہرطرف انانیت، خود پسندی اور خودرائی کے مظاہر بکھرے پڑے ہوں، اگر کوئی جائے امان ہے تو وہ ''نقوش رفتگاں'' میں ہے۔ آزمائشوں اور امتحانوں کے تپتے صحرا میں اگر کوئی شجر سایہ دار ہے تو وہ انہی نیک نام ونیک کام حضرات کی ذات ہے۔ بزرگانِ دین کی سوانح حیات، مواعظ وملفوظات اور قصص وواقعات نئے فاضل کی تگ وتاز کے لیے لائحہ عمل کی تعیین اور مقاصد پر توجہ مرکوز رکھنے کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امت جاں بلب مریض کی طرح سسک رہی ہے۔ اسے کسی روحانی مسیحا کی تلاش وضرورت ہے۔ جو اس کے درد کا درماں مہیا کرسکے، جو اسے رب سے ملا سکے، جو اسے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات وہدایات سے روشناس کرا سکے۔ آپ ہی وہ چراغِ ہدایت ہیں، جو ضلالت وگمراہی کے اندھیرے میں روحانیت کی کرنیں بکھیرتا اور ایمانیت کی راہیں دکھلاتا ہے۔ جگر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

رکتی نہیں بحرِ سعادت کی موجِ تند
باندھیں گے بند اہلِ شقاوت کہاں کہاں؟

ایک دردمند کا مکتوب بنام مدیر

از: ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی
۱۵-گاندھی روڈ، دہرہ دون

محترم ومکرم!

سلام مسنون

معاشرہ میں تعلیم اور آزادی کے بڑھتے اثرات کے تحت جو خرابیاں آرہی ہیں، ان کو نمونہ کے طور پر حالیہ دو واقعات سے سمجھا جاسکتا ہے۔ پہلے واقعہ میں رام پور اتر پردیش میں ایک مسلم لڑکی غیر مسلم کے ساتھ بھاگ گئی، جس کے بعد کے واقعات میں لڑکے کے محلّہ کے ۶ گھر جلادیے گئے اور کچھ سرکردہ مسلم لیڈران سمیت ۲۵۰/افراد پر آگ، لوٹ مار، بلوہ فساد کے کیس قائم ہوگئے ہیں۔ اسی طرح اتراکھنڈ میں ہری دوار ضلع کے سرائے اور گاڈو والی گاؤں سے ایک کم عمر مسلم لڑکی کے شیڈول کاسٹ نوجوان کے ساتھ بھاگ جانے کے بعد گرام پنچایت نے گاؤں کی لڑکیوں پر گاؤں سے باہر جاکر نوکری کرنے پر پابندی لگادی، جس پر ہندی اخباروں خصوصاً ''دینک جاگرن'' نے حسب معمول اِشو بنالیا؛ کیوں کہ لڑکی مسلمان تھی؛ اس لیے خواتین کی آزادی کے نام پر ایک میڈیائی جنگ چھیڑ دی گئی، جو گذشتہ ایک ہفتہ سے بلا ناغہ کم سے کم ایک مکمل صفحہ؛ بل کہ دو صفحات پر پھیلی تھی چھیڑ دی گئی، جب کہ گاؤں پنچایت کے پردھان محمد یاسین نے صاف کہا تھا کہ پابندی صرف کم عمر لڑکیوں پر لگے گی اور ہم اِن کو بھی گاؤں کے اندر روزگار دلانے کی کوشش کریں گے۔ پولس، پرشاسن، مسلم دانش فروش اور ایمان فروش حضرات کے یک طرفہ بیانات نے ایسا ماحول بنادیا کہ جیسے اس پابندی سے نہ جانے کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے، جب کہ ابھی چند دنوں پہلے ہی مردم شماری ۲۰۱۱ء کی عارضی تفصیلات میں بتایا گیا کہ اسی آزادی نسواں اور مخلوط تعلیم اور

روزگار کے ماحول میں لڑکیوں کی شرح پیدائش پچھلے ساٹھ سالوں سے لگاتار گر رہی ہے، اس پر ان جسم فروش اور حیا فروش اخباروں اور نام نہاد دانشوروں نے ہنگامہ نہیں مچایا، مادہ جنین کشی Female tocticide کے نتیجہ میں ایک زبردست انسانی ٹریجڈی کے آثار بن رہے ہیں اور اِس کا شکار زیادہ تر پڑھے لکھے، پیسہ والے اور غیر مسلم حضرات ہی ہیں؛ مگر اس پر ہنگامہ نہیں مچایا جارہا ہے۔

مسلم لیڈران دن رات آزادی نسواں اور تعلیم نسواں کے وعظ الاپ رہے ہیں، مساوات مرد وزن کے نعرہ لگا رہے ہیں، انھیں حقیقت کی دنیا میں آکر ان معاشروں کو دیکھ کر سبق لینا چاہیے، جہاں یہ مقاصد حاصل کرلیے گئے ہیں؛ مگر کیا وہاں عورت محفوظ ہے؟ کیا تعلیم اور کیریئر اور دولت کے باوجود عورت کی عزت، وقار اور رشتوں کی مضبوطی بڑھی ہے؟ آج ہم جس مخلوط، بے حیا، شہوت انگیز ماحول میں رہ رہے ہیں، اس میں خواتین کو بلا روک ٹوک مخلوط مقامات پر بھیج کر کیا بحیثیت مسلمان مطمئن رہا جاسکتا ہے؟ یا پھر تعلیم اور ترقی کی دیوی پر ایمان، عزت، عصمت کو بھینٹ چڑھادیا جائے گا؟ اس رویہ پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ آپ پٹرول اور آگ کو اکٹھا کرکے دھماکہ ہونے سے گھبراتے ہیں۔ جب اسکول کالج میں مخلوط اور شہوت انگیز ماحول میں مرد وزن اکٹھا ہوں گے تو پھر کیا وہ مسلم غیر مسلم سیدیا بالمیکی کی تمیز کریں گے؟ مگر جب ایسا ہوجاتا ہے جیسا کہ رام پور اور ہری دوار میں ہوا تو ہم پھر مسلمان بن کر ہنگامہ آرائی کرتے ہیں اور ہماری بیٹی عدالت میں کہتی ہے کہ میں تو اپنے بالمیکی دوست کے ساتھ ہی رہوں گی، تب آپ کی ایمان کی حس جاگتی ہے، تو کیا یہ منافقانہ عمل قابل قبول اور قابل عمل ہے؟ تمام فکرمند علماء اور والدین کو غور کرنا چاہیے! والسلام

❁ ❁ ❁